اسلامی آئین

ذہین شاہ تاجی
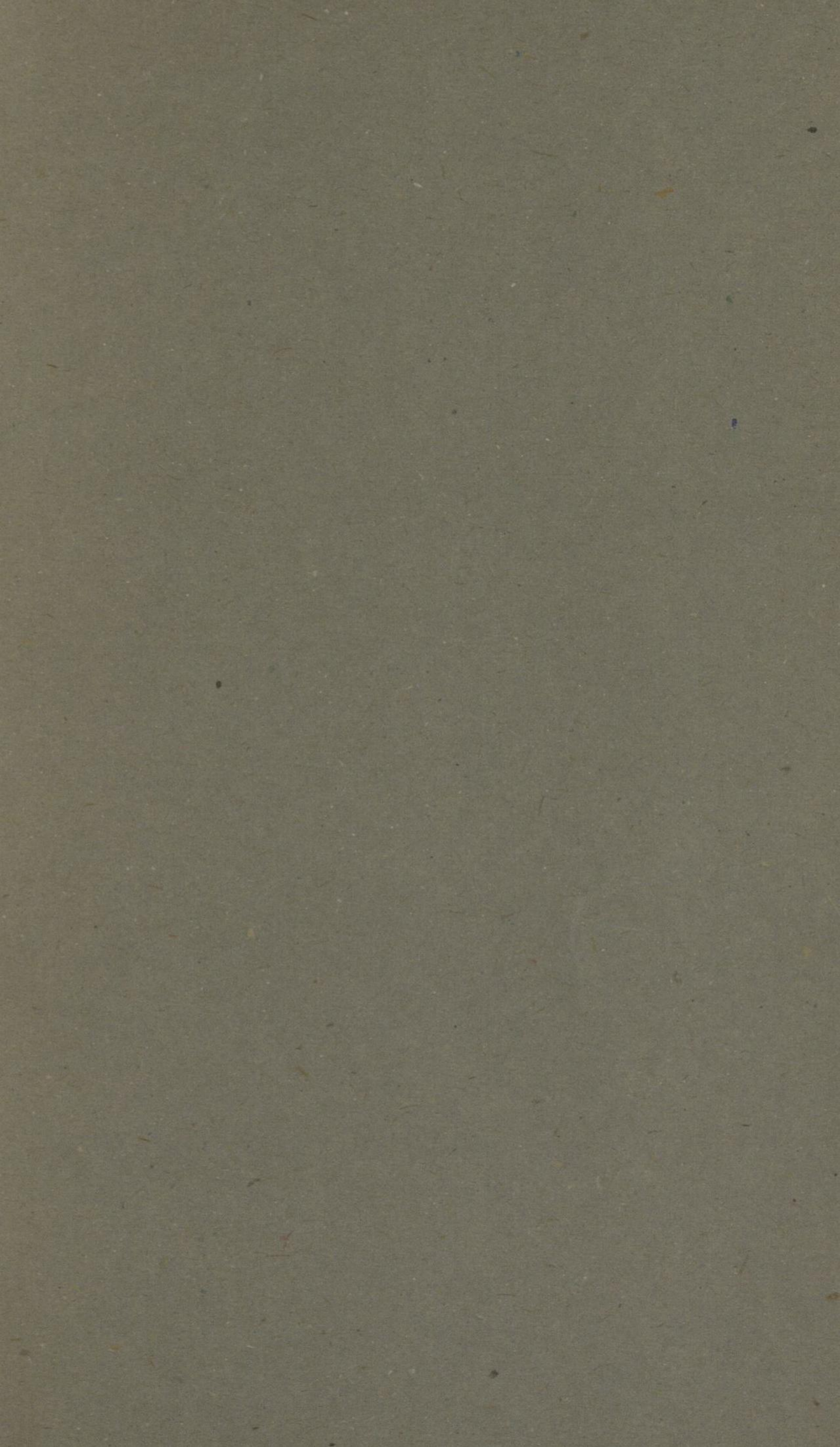
اِسلامی آئین
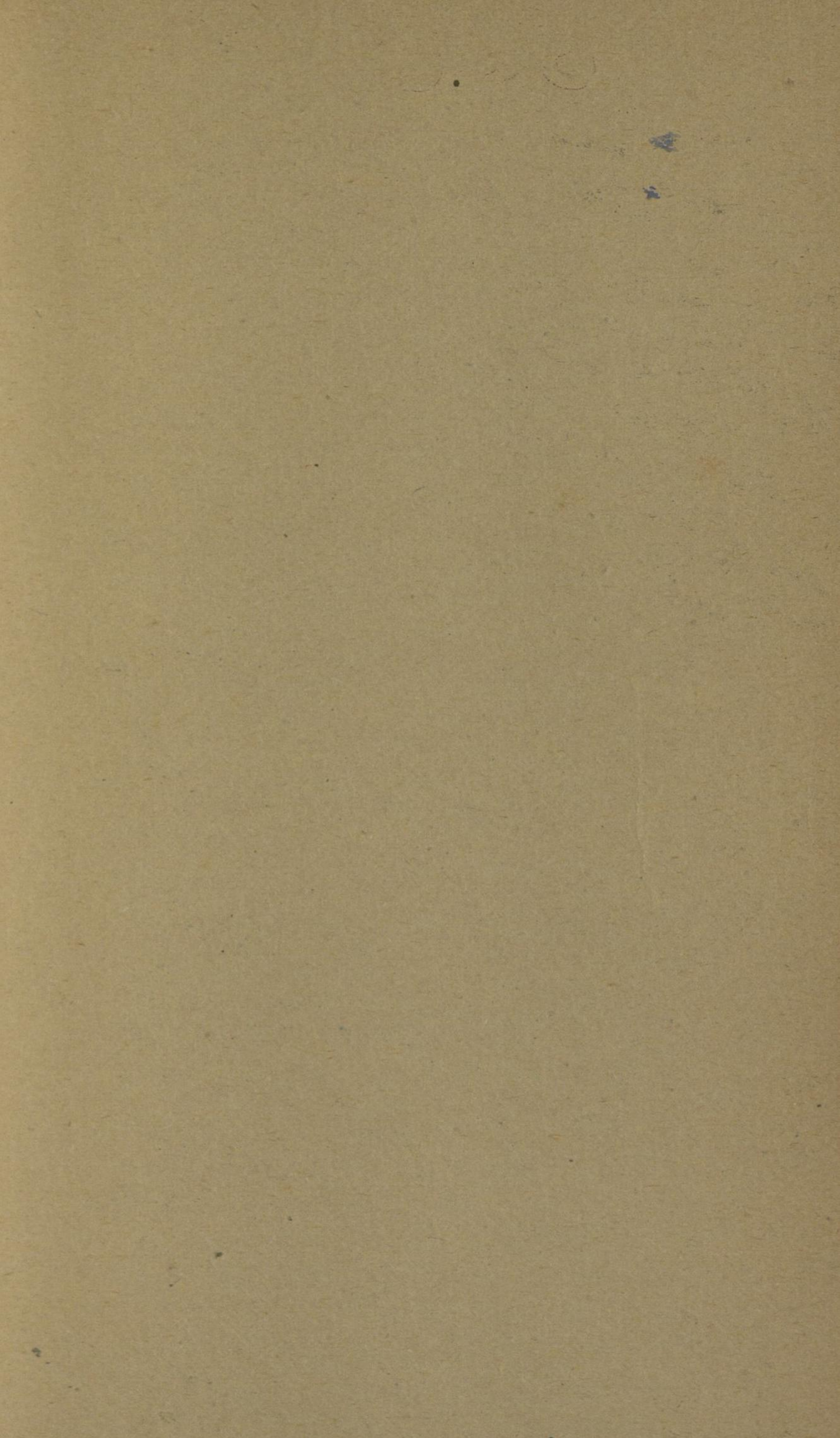
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی آئین

مرتبہ

ذہین شاہ تاجی

ہدیہ :- چار روپے

طباعت بار دوم ایک ہزار

طابع: سید صابر علی۔ مشہور آفسٹ لیتھو پریس۔ میکلوڈ روڈ کراچی۔

اِسلامی آئین

اُن سب سے معنون ہے

جو

پاکستان کی جغرافیائی اور اعتقادی سرحدوں

کے محافظ ہیں

کتبہٗ: فقیر ذھین شاہ تاجی
عفی عنہ

فہرست

جمہوریت

(۹۵ ـ تا ـ ۱۰۲)

شوریٰ

(۱۰۳ ـ تا ـ ۱۲۴)

بنیادی حقوق

(۱۲۵ ـ تا ـ ۱۳۳)

فہرست دفعات جو مضامین مشمولہ سے ماخوذ ہے

(نمبر صفحات ضمنی عنوانات کے نیچے ملاحظہ ہوں)

شرائط

شوریٰ ص ۱۰۳، ۱۲۴

صدارت یا امارت یا خلافت

بنیادی حقوق

مساوات

معاشی و اخلاقی نظام

دفعہ ۸۴ محصلین زکوٰۃ کا تقرر

" ۸۵ بیت المال کا قیام

" ۸۶ جاگیرداری کا استیصال

" ۸۷ اسبابِ تعیش کی درآمد ممنوع

" ۸۸ جو چیزیں پاکستان میں بنتی ہیں ان کی درآمد ممنوع

" ۸۹ اسبابِ تعیش کا استعمال ممنوع

" ۹۰ سادہ زندگی

" ۹۱ اجیر و مستاجر میں معاشی مساوات

" ۹۲ بغیر جائز محنت کے دولت کمانے کے تمام ذرائع ممنوع

(الف) سُود

(ب) جُوا

(ج) دلالی

(د) عصمت فروشی

(ہ) گداگری

(و) رشوت

(ز) جاگیرداری

دفعہ ۹۳ فصل تیار ہونے سے پہلے پیداوار کے سودے نہ ہوں

" ۹۴ نرخ کو خودغرض سرمایہ دار نہ گرانے پائیں

" ۹۵ ناپ اور تول کے پیمانوں کی صحت

" ۹۶ ذخیرہ اندوزی کا سدِباب

" ۹۷ نفع خوری کا انسداد

" ۹۸ بلیک مارکٹ کا استیصال

دفعہ ۹۹ درآمد و برآمد کے پرمٹوں کی تجارت کا انسداد

" ۱۰۰ پگڑی کا انسداد

" ۱۰۱ منشیات کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۲ سامان نمود و نمائش کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۳ حیا سوز لٹریچر کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۴ ملاوٹی چیزوں کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۵ چیزوں کو چھپانے اور نہ بیچنے کا انسداد

" ۱۰۶ ناجائز درآمد شدہ چیزوں کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۷ مضرِ صحت چیزوں کی خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۸ سود پر خرید و فروخت کا انسداد

" ۱۰۹ سرمایہ کا ناجائز استعمال جرم ہے

" ۱۱۰ سود دینا

" ۱۱۱ رشوت دینا

" ۱۱۲ قمار بازی

" ۱۱۳ شراب خوری

" ۱۱۴ اسراف

" ۱۱۵ زناکاری

دفعہ ۱۱۶ ناجائز رسومات

دفعہ ۱۱۷ شرط باندھنا، لاٹری، ریس (تمام اقسام قمار)

" ۱۱۸ ناچ گھروں، قحبہ خانوں کا قیام؛ ان کی رکنیت یا تماشائی ہونا

" ۱۱۹ مخرب اخلاق لٹریچر شائع کرنا

" ۱۲۰ وحدتِ ملکی و قومی کو نقصان پہنچانیوالا لٹریچر شائع کرنا

" ۱۲۱ اسلام، پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف لٹریچر شائع کرنا

" ۱۲۲ دولت کمانے کے وہ ذرائع جو اخلاق پر برُا اثر ڈالیں

" ۱۲۳ سرقہ، سرقہ بالجبر، ڈکیتی، استحصال بالجبر، خیانت، نقصان رسانی، دغا دہی سے معاش حاصل کرنا

" ۱۲۴ وہ تمام افعال جو جسم انسانی، جانِ انسانی مالِ انسانی پر مؤثر ہوں، جرم ہیں

" ۱۲۵ بینک میں زرِ امانت کا سود نہ دیا جائے گا۔

" ۱۲۶ بینک سودی کاروبار نہیں کرینگے

" ۱۲۷ بینک تجارت کریں گے

۱۲۸ زراعت کی افزائش

" ۱۲۹ مویشیوں کی افزائش

دفعہ ۱۳۰ آبپاشی اور کشاورزی عام کرنے کی مہم۔

" ۱۳۱ زکوٰۃ، صدقات، خمس، فئی خراج، عشر، جزیہ، عشور وقف، الفرائض، ہدیہ، تحفہ

" ۱۳۲ وصیت

" ۱۳۳ وقف

" ۱۳۴ تعاون

" ۱۳۵ مضاربت

" ۱۳۶ مفاوضت

" ۱۳۷ عنان

" ۱۳۸ شرکۃ الصنائع

" ۱۳۹ شرکۃ الوجوہ

" ۱۴۰ وکالت

" ۱۴۱ مساقات

" ۱۴۲ مزارعت

" ۱۴۳ مخابرت

" ۱۴۴ الاجارہ

" ۱۴۵ اجارہ کی اقسام

پیش لفظ

ہر اجتماعیت کسی نہ کسی مقصد پر اتحادِ افراد سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ فی نفسہٖ اجتماع میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ خوبی کا تعین اس مقصد سے ہوتا ہے۔ جو اجتماع کے پیش نظر ہے۔

رہزنوں، قزاقوں چوروں اور فسادیوں کا اجتماع کیوں ناپسندیدہ ہے؟ صرف اس لئے کہ اس اجتماع کا مقصد ناپسندیدہ ہے۔

پس اجتماعیت کا پسندیدہ ہونا اس امر پر منحصر ہوا کہ وہ غرض و غایت پسندیدہ ہو جو اجتماعیت سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں کی تنظیم و ترتیب سے جس ہیئت اجتماعیہ کا ظہور ہوتا ہے اس کا مقصد معاشرے سے ہر قسم کے خوف و حزن کو دور کرنا ہے۔ اس معاشرے کے افراد بے شمار ہونے کے باوجود "نفسِ واحد" کی طرح ہوتے ہیں ان میں بیگانگی اور غیریت کی نسبت نہیں ہوتی بلکہ وحدتؔ عینیت کی نسبت ہوتی ہے۔ ہر شخص دوسرے کے لئے وہی چاہتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اور دوسرے کے لئے وہ نہیں چاہتا جو اپنے لئے نہیں چاہتا۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کے غیر نہیں ہوتے بلکہ عین ہوتے ہیں۔

اس معاشرے کا سربراہ یا امیر ایک ایسا کل ہوتا ہے جو تمام منفرد اجزاء کو جامع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ ایک فرد ہے جو تمام افراد کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور کلیت اور جامعیت میں ہر فرد کے ساتھ اور پورے معاشرے کے ساتھ اسکو وحدت و عینیت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ریاست جو اسلامی عقیدۂ نیابت کی علمبردار ہوتی ہے۔ ذو جہت ہوتی ہے ایک جہت میں احکام الٰہیہ کو نیابتاً جاری کرتی ہے۔ اور دوسری جہت میں وہ ضروریات امت کی نیابتاً متکفل ہوتی ہے۔

پہلی جہت میں وہ امت سے فرائض کی بجا آوری کے میثاق کا ایفاء چاہتی ہے اور دوسری جہت میں وہ ان کے حقوق کی ادائیگی کے میثاق کا خود ایفاء کرتی ہے۔

فرائض و حقوق لازم و ملزوم ہیں یہ ناممکن ہے کہ فرائض ادا نہ ہوں اور حقوق ادا ہوں فرائض کو ادا کئے بغیر حقوق کا مطالبہ کسی انسانی معاشرے کا شعار نہیں ہو سکتا، انسان نما جانوروں کا

طریق کار ہوسکتا ہے۔ پس حقوق کیا ہیں؟ دراصل فرائض ادا کرنے کے ثمرات ہیں۔

اسی طرح ریاست ایک ایسا کلُ ہے۔ جو اپنے تمام اجزائے ترکیبی کو جامع ہے خواہ کتنے ہی صوبے منطقے کیوں نہ ہوں اور وہ باہمدگر جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے کتنے ہی متنوع کیوں نہ ہوں مگر سب کے سب ریاست سے وحدت و عینیت کی نسبت رکھتے ہیں بیگانگی اور غیریت کی نسبت ہوگی تو "وفاق" نہیں بنے گا بلکہ محاذِ شقاق بن جائے گا

اس امر کی نگہداشت پر منحصر ہے کہ سزا و جزا دونوں ہی کو زیر تجویز قول و فعل سے موافقت تامہ حاصل ہوتا کہ جرم و سزا میں وحدت و عینیت ظاہر ہو، اور پسندیدہ اقوال و افعال میں اور ان کی جزا میں بھی وحدت و عینیت نمایاں ہو۔

مساوات

قانونی مساوات یہ ہے کہ ہر شخص کا مقام قانون کی نظر میں مساوی ہے۔ تمام انسانوں میں وحدتِ نوعی موجود ہے۔ اس وحدتِ نوعی کا تحفظ مساواتِ قانونی سے ہوتا ہے، النفس بالنفس کے معنی یہ ہیں کہ خون بھی سب کا برابر ہے اس لئے خون کا بدلہ خون ہے، یہ مساوات بھی مبنی بر وحدت و عینیت ہے۔

معاشی مساوات

تمام انسان مساوی طور پر معاش کے طالب ہیں یہ طلب ان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے جس طرح طلب میں مساوات ہے بیافت میں مساوات نہیں پائی جاتی کوئی کم کماتا ہے۔ کوئی زیادہ کماتا ہے۔ کوئی بہت زیادہ کماتا ہے۔ کوئی بالکل ہی نہیں کماتا۔ اس لئے زیادہ پانے والے اور بہت زیادہ پانے والوں کے پاس جو زیادہ اور بہت زیادہ معاش یا سامانِ معاش ہے وہ انکو اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو ان افراد تک پہنچادیں جو کم کماتے ہیں یا کما نہ سکتے ہوں۔ یہ کام رضاکارانہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ حکومتی سطح پر ہونا لازم ہے۔ اس اصول پر کہ عدل مساوات وحدت و عینیت کی نسبتیں جو انسانوں میں ہیں ان کو برقرار رکھا جائے۔ اس طور پر کہ کوئی انسان درجۂ انسانیت سے او نیچے جائے نہ نیچے گرے۔ ورنہ وحدتِ امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اور حکومت امت کی نمائندہ نہ رہیگی۔

قیام پاکستان کے بعد

خلافت راشدہ کے منہاج پر نظام حکومت قائم کرنے کے لئے جو مسلمان بیتاب تھے مجھے ان کے اضطراب کا مشاہدہ حاصل ہے، میں خود بھی بے حد متاثر تھا کہ نظام حکومت اسلامی کیوں نہیں قائم ہو رہا؟ اعلیٰ حلقوں سے پتہ چلا ہے کہ پہلے اسلامی دستور مرتب ہوگا پھر اس دستور کے مطابق اسلامی حکومت کی تشکیل ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی دستور کا مرتب ہونا امر دشوار ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہنے لگے تھے کہ اسلام میں دستوری قواعد وضوابط موجود ہی نہیں ہیں بعض یہ دعوےٰ کرتے تھے کہ اسلام صرف ضابطۂ اخلاق وعبادات ہے، حکومت کو جن قوانین کی عہدِ حاضر میں ضرورت ہے وہ اسلام میں موجود ہی نہیں ہیں۔

میں نے دن رات ایک کر کے ۱۹۴۸ء کے وسط سے ۱۹۴۹ء تک آئین ودستور کے باب میں اسلامی نقطۂ نظر سے کچھ لکھا،

ہجرت کی بے سروسامانی، اور یہاں آنے کے بعد نئے مسائل کی فراوانی، اس کام میں مانع تھی، مگر میں نے ہر کام پہ اس کام کو مقدم سمجھ لیا تھا کہ اسلامی دستور کے متعلق کچھ لکھوں، یہ کام بہت بڑا ہے، اور ایک بہت بڑے ادارے کے کرنے کا ہے جو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو کتاب وسنت میں بصیرت رکھتے ہوں۔ اور قوانینِ موجودہ سے بھی کما حقہٗ باخبر ہوں، اور قانون کس طرح لکھا جاتا ہے یہ بھی جانتے ہوں۔

مگر مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور پاکستان کی غرض وغایت سے وفاداری یہ دونوں چیزیں، احساسِ ہیچ مدانی پر غالب آئیں اور میں وہ سب کچھ لکھ گیا جو بیس برس کے بعد پیش کر رہا

ہوں۔ یہ تصنیف نہیں ہے تالیف ہے جو کچھ ادھر ادھر سے ملا جمع کر دیا گیا۔ البتہ توضیحی نوٹ میرے اپنے ہیں جن سے بعض مسائل مشرح مضامین کی صورت اختیار کر گئے ہیں، خصوصاً قرارداد مقاصد منظور ہو جانے کے بعد ان اوراق کو طاق نسیان میں رکھ دیا گیا، کیونکہ اب توقع ہو گئی تھی کہ آئین حکومتی سطح پر مرتب ہو گا لیکن وقت گزرتا گیا، جذبات ٹھنڈے پڑتے گئے یا تو اگست ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا کہ ایک ایک دن اسلامی نظامِ حکومت کے انتظار میں ایک ایک برس کی طرح گزر رہا تھا یا وہ زمانہ آگیا کہ سب کچھ نسیاً منسیا ہو کر رہ گیا۔ ان آنکھوں نے اسلام کو نافذ ہوتے دیکھنے کی جگہ اسلام کی بے بسی کی جلو میں فواحش و منکرات، عریانی و فحاشی، بے حیائی شراب نوشی کے طوفان کو دیکھا۔

تجارت میں چور بازاری، بلیک مارکیٹ، احتکار، اکتناز، کم وزنی، آمیزش، دغا فریب کو روز افزوں ترقی پذیر دیکھا۔ دفتروں میں رشوت ستانی، فرض ناشناسی، خود غرضی کا دور دیکھا عدل عمرانی کو ایڑیاں رگڑتے دیکھا۔ غنڈوں اور بدمعاشوں کی دیدہ دلیریاں دیکھیں محافظین قانون کی سرپرستی میں قانونی خلاف ورزیوں کو جاری و ساری دیکھا۔ اس طرح ساری دنیا کی برائیاں پاکستان میں آکر جمع گئیں، ہم اپنی تہذیب و شرافت، تمدن و معاشرت دین و ملت حمیت و اخلاق و عزت کے سرمائے کو لٹا بیٹھے۔

خدا بھلا کرے جناب صدارت مآب یحییٰ کا۔ انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ پاکستان کی سالمیت کے خلاف، اسلام کے خلاف قائد اعظم کے خلاف کچھ کہنا جرم قرار دیدیا۔ اس سے امید بندھی کہ اسلام کے موافق آئین مرتب ہو کر نافذ ہو گا۔ یہ مسودات صرف اس غرض سے شائع کئے جا رہے ہیں کہ اس سلسلہ میں کام کرنیوالوں کے لئے ان میں مواد مل سکے، اور بحث و تحیص، حذف و اضافے کے بعد، تدوین آئین میں یہ معاون ہوں

سب سے بڑا محرک اس مسودے کو پیش کرنے کا یہ واقعہ ہے کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط ۱۹۴۹ء میں ارشاد فرمایا تھا کہ پاکستان کے حفظ و بقا کا راز اس میں مضمر ہے کہ پاکستانی مسلمان متفرق نہ ہوں منظم اور متحد رہیں چنانچہ میں نے ان اوراق میں اس حکم کی روح کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور قانونی صورت

میں جو صفحات لکھے گئے ہیں وہ اسی تاثر کا نتیجہ ہیں

میں نے اپنے خواب کا تحدیثِ نعمت کے طور پر ہی حوالہ نہیں دیا ہے، تبلیغ حکم کی ضرورت بھی داعی ہے، خصوصاً جب کہ بیس سال گزر جانے کے بعد بھی مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ ارشادِ عالی آج ہی کے لئے ہے۔ اس حکم کے قطعی ہونے پر میرا ایمان ہے اور پاکستان کی سلامتی کا دارومدار ہی اس حکم کی تعمیل پر منحصر ہے۔ اس لئے میں نے سابق صدر مملکت ایوب خاں صاحب کو اور تمام سیاسی لیڈروں کو گول میز کانفرنس کے موقعہ پر سترہ تار برقی بھیجے تھے جن کا مضمون واحد تھا۔ وہ یہ کہ وحدتِ ملکی اور وحدتِ قومی کو قانونی تحفظ دیا جائے اور اس کی خلاف ورزی میں حبس دوام اور سزائے موت تجویز کی جائے، تار کا متن اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کچھ مضامین اسی سلسلہ میں شائع ہوئے۔

توقع ہے کہ اربابِ حل وعقد اہل الرائے اور صاحبانِ شعور مسلمانوں کو افتراق وانتشار کے گرداب سے نکال کر اُن کی ہیئتِ اجتماعیہ کی تشکیل وتنظیم کو مقدم سمجھیں گے۔ یہ بیشمار پارٹیاں جو "ہیئتِ اجتماعیہ" کے تصور سے ٹکراتی ہیں توڑ دینی چاہئیں۔

یہ آثار کچھ اچھے نہیں ہیں کہ مسلمانانِ پاکستان کسی جہت میں بھی منظم ومتحد نہیں ہیں۔ افرا تفری اور انتشار روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کا سبب محدود اغراض ومقاصد کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں یہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے، وہاں اجتماعی اغراض و مقاصد پس دہ چلے جاتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے سے اجتماعیت مفقود ہوجاتی ہے اور انفرادیت مطمحِ نظر بن جاتی ہے۔ اور لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اجتماعیت سے کٹ کر، انفرادی زندگی کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے۔

پاکستان کے حق میں صوبائی عصبیت جہاں زہر قاتل ہوسکتی ہے وہاں کچھ صوبوں کے لئے بھی پیامِ مرگ ثابت ہوسکتی ہے اور اس مرحلے پر ہمارے سیاسی لیڈروں کو صوبائیت اور صوبائی عصبیت میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک میرا اپنا خیال ہے پاکستان کا ہر باشندہ خود کو مسلمان کہنے میں فخر محسوس

کرتا ہے۔ نہ وہ کافر ہے، نہ وہ ارتداد پسند ہے، نہ وہ نفاق و شقاق کو پسند کرتا ہے۔
اس لئے یہ جو کچھ صوبائی عصبیت کے نام پر ہو رہا ہے اس کی حیثیت ایک سیاسی کھیل سے زیادہ کچھ نہیں ہے اس سیاست میں نہ جانے کیوں اتنی "سطحیت" اور پستی آگئی ہے کہ وہ مذہب سے بیزاری کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ غالباً بائیس سال تک اسلام کے نام پر عوام کو بیوقوف بنانے کا یہ ردِعمل ہے۔ صوبوں سے ناانصافی اور عدم مساوات کا سلوک بھی اس کا محرک ہو سکتا ہے۔
دوسری بات ذرا تلخ ہے مگر مبنی بر حقیقت ہے، وہ یہ کہ ہر صوبے میں اسی صوبے کے لیڈر اپنا سیاسی اثر و نفوذ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس غرض سے صوبے کے "مزعومہ مفاد" پر سیاست کی بنیاد کو استوار کرتے ہیں اور مزعومہ مفاد کو پورے ملک کے مفاد سے مربوط و مشروط رکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہ ایسی گھناؤنی سیاست ہے جو مذہب اور عقل سے بغاوت پر عوام کو آمادہ کرتی ہے اور بھائی کو بھائی کا جان لیوا دشمن بنا دیتی ہے اور خدا پرستی کی جگہ صوبہ پرستی کو عام کرتی ہے۔

یہ انداز صوبوں اور وفاقیہ دونوں ہی کے لئے سنگین خطرات کا الارم ہے۔ اس کا انسداد صرف اسی وقت ممکن ہے کہ "قیادت" کو صوبوں میں محدود نہ کیا جائے بلکہ پورے ملک کی قیادت تک وسیع کیا جائے، جو رہنما یا لیڈر اس شرط کو پورا نہ کرے اور صرف کسی صوبے کی رہنمائی کا داعی ہو اس کو رہنمائی کا حق حاصل نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہو کہ بنگال کے رہنما مغربی پاکستان میں اور مغربی پاکستان کے راہنما مشرقی پاکستان میں انتخاب لڑیں تاکہ وہ مثل صادق نہ آئے کہ اپنے گھر میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔
اس طرح کنوسینگ اور جوڑ توڑ کا موقع بھی کم میسر آئے گا اور دونوں صوبوں میں محبت اور اتحاد بھی قائم ہوگا۔

ایک احتیاطی تدبیر یہ بھی لازم ہے کہ منتظمہ کے افراد ہر صوبے میں دوسرے صوبے کے ہوں تاکہ صوبائی عصبیت اور اختیاراتِ حکومت دونوں یکجا نہ ہونے پائیں۔

قراردادِ مقاصد

چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمائے ہیں اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

● ۔ لہٰذا جمہورِ پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکتِ پاکستان کیلئے ایک دستور مرتب کیا جائے جس کی رُو سے مملکت کے جملہ حقوق و اختیاراتِ حکمرانی، جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے۔

● ۔ جس میں اصولِ جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کو جس طرح اسلام نے انکی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے

● ۔ جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآنِ مجید اور سنتِ رسولؐ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

● ۔ جس کی رُو سے اس امر کا وافی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور اپنی ثقافت کو ترقی دے سکیں۔

● ۔ جس کی رُو سے وہ علاقے جو فی الحال پاکستان میں داخل ہیں، یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاقیہ بنائیں، جس کا امکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

● ۔ جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاقِ عامہ کے ماتحت مساواتِ حیثیت اور مواقع قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، خیال، اظہار، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہوں۔

● ۔ جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا وافی انتظام کیا جائے۔ جس کی رُو سے نظامِ عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

● ۔ جس کی رُو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت، اُس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بروبحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے تاکہ اہلِ پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں، اقوامِ عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امنِ عالم کے قیام اور بنی نوعِ انسان کی ترقی و بہبود میں کماحقہٗ اضافہ کر سکیں۔

بنیادی حقوق

مجلس شوریٰ (ایڈوائزری بورڈ) یا اُس کے مماثل کوئی دستور ساز ادارہ تشکیل کے بعد اُمور مندرجۂ فہرست (ذیل) کے لئے قواعد و ضوابط و آئین وضع کریگا مگر اس ناقابلِ تنسیخ اصول کے ماتحت کہ وہ قواعد و ضوابط و آئین کسی لحاظ سے بھی معارضِ کتاب و سنّت نہ ہوں

شہریت، بنیادی حقوق۔ حقوقِ ملکیت وغیرہ ریاست کی پالیسی کی رہنمائی کرنیوالے اصول

بنیادی اصول:۔ ۱۔ وفاق اور اس کے حدود ۲۔ وفاق (امیرِ ریاست) ۳۔ میعادِ حکومت ۴۔ قائم مقام امیرِ ریاست ۵۔ اختیاراتِ خصوصی ۶۔ استثناء (صدر کے لئے مراعاتِ خاص اگر کچھ منظور ہوں) ۷۔ وزراء ۸۔ ایڈوکیٹ جنرل ۹۔ مرکزی مجلس قانون ساز ۱۰۔ اجلاس (مجالسِ قانون ساز) ۱۱۔ برطرفی ۱۲۔ صدر (چیئرمین ایوانہائے مرکزی) ۱۳۔ مالی تجاویز ۱۴۔ حلفِ وفاداری ۱۵۔ آرڈی ننس (منجانب امیرِ ریاست) ۱۶۔ سالانہ گوشوارہ ۱۷۔ حسابات و محاسبہ ۱۸۔ صوبائی (محاسب) ۱۹۔ حساباتِ (وفاقی) ۲۰۔ صوبے (۲۱۔ استثناء (صوبے کے سربراہ کے لئے اگر کچھ منظور ہوں) ۲۲۔ وزراء (صوبائی) ۲۳ واحد ایوان (صوبائی) ۲۴ وزرا (صوبائی وزراء اور ایڈوکیٹ جنرل کے حقوق) ۲۵۔ امیرِ صوبہ ۲۶۔ صوبائی سکریٹریٹ ۲۷۔ صوبائی ارکان کا حلف ۲۸۔ ارکان کو مراعات ۲۹ صوبائی آئین کی منظوری ۳۰۔ مالیاتی گوشوارہ ۳۱۔ صوبائی امیر کا آرڈی ننس ۳۲۔ مرکز کے علاوہ صوبائی وضعِ قوانین ۳۳۔ حقِ تفویضِ اختیارات ۳۴۔ اختیاراتِ آئین سازی ۳۵۔ مرکزی ہدایات ۳۶۔ زائد اخراجات ۳۷۔ تعبیر (تعبیرِ دستور میں اختلاف) ۳۸۔ قرضے ۳۹۔ مرکز اور صوبوں کے ماتحت ملازمین ۴۰۔ پبلک سروس کمیشن ۴۱۔ مستثنیٰ شدہ اور جزوی مستثنیٰ شدہ علاقے ۴۲۔ ہنگامی معاملات ۴۳۔ متفرق (تقسیم اعزازات) ۴۴۔ اعلانِ جنگ ۴۵۔ دستور میں ترمیم ۴۶۔ دستور کی منظوری سے قبل عارضی اہتمامات

ضمیمہ:۔ ۱۔ وفاقی (مرکز سے متعلق جملہ فوجی، مالیاتی، خارجی، مشنعت و حرفت، جوہری قوت، بیمہ، بنیک، کانیں، اوزان وغیرہ) ۲۔ صوبائی (مالگزاری، تعمیرات، مالیات، صحت، صفائی، تعلیم، زراعت، قرضہ جات، آب رسانی، تدفین و قبرستان، امدادِ غرباء، اوقاف و مساجد ۳۔ متلازم (CONCURRENT) قوانین لازمی) ★

حکومت کے رہنما اصول

۱- حاکم مطلق نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت کے طور پر عطا فرمائے ہیں، اس لئے یہ دستور اس غرض سے مرتب کیا جاتا ہے کہ اس کی رو سے وہ اختیاراتِ حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے۔

جمہور کی تعریف

۲- قراردادِ مقاصد میں جہاں لفظ جمہور استعمال ہوا ہے، اس سے مراد صرف وہ اُمتِ مسلمہ مراد ہے جس نے تقسیم ہند کی جدوجہد میں تن من دھن سے قربانی دی ہے اور پاکستان حاصل کیا تاکہ وہ اسلامی نظامِ حکومت قائم کریں۔

۳- وہ افراد جو نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں، ان کا شمار جمہور مصرحہ دفعہ بالا میں بالکل نہیں ہے، خواہ وہ پاکستان میں آباد ہی کیوں نہ ہوں

۴- وہ لوگ جو نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے، مگر پاکستان بننے کے بعد، اس کے حامی ہو گئے وہ داخل جمہور ہیں۔

۵- وہ افراد جو نظریۂ پاکستان کے پہلے حامی تھے اور بعد میں مخالف ہو گئے ہیں وہ خارج از جمہور ہیں۔

۶- بہرصورت جمہور کی تعریف میں وہ سب مسلمان شامل ہیں جو مملکتِ پاکستان کو اور اس میں اختیاراتِ حکمرانی کو خدا کی دی ہوئی امانت باور کرتے ہیں اور اُس امانت کو خدا کی مقرر کردہ حدود میں استعمال کرنے پر قراردادِ مقاصد میں عہد کر چکے ہیں اور اُس عہد کی بنا پر وہ نیابتاً تمام اختیارات کا مرکز ہیں۔

۷- وہ افراد جو نہ تو خدا کو حاکم مطلق سمجھتے ہیں اور نہ اُمتِ مسلمہ کی نیابت و خلافت کے مرتبہ کو پہچانتے ہیں، نہ خدا کی مقرر کردہ حدود میں اختیاراتِ حکمرانی کو مقید دیکھنے کے معتقد

ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں تو اسلام اور مسلمان بھی ان کو اپنے مخالف سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے

۸۔ کتاب و سنت کے احکام سے انحراف اور بغاوت منفرداً یا مجتمعاً سنگین جرم ہوگی۔

۹۔ کتاب و سنت کی متابعت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مرتب، منظم کرنا فرض قرار دیا گیا۔

۱۰۔ اصولِ جمہوریت[1]، حریت[2]، مساوات[3]، رواداری[4] اور عدلِ عمرانی[5] کو جس طرح اسلام نے اُن کی تشریح کی ہے، پورے طور پر عمل میں لایا جائے گا۔

۱۱۔ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مذہب پر عقیدہ رکھنے کی اور اپنی اپنی ثقافت کو ترقی دینے کی مجاز ہوں گی۔

۱۲۔ وہ علاقے جو پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دوسرے علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں وہ سب ایک وفاق پر مشتمل ہوں گے اور ان کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ اور متعین اختیارات کے ماتحت نیابتاً خود مختار ہوں گے۔

۱۳۔ بنیادی حقوق کی ضمانت دی جاتی ہے، اس شرط کے ساتھ، کہ بنیادی حقوق دراصل بنیادی فرائض کی ادائیگی کا ثمرہ ہیں حقوق و فرائض کا تعین جس طور پر اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، کیا جائے گا۔ (ملاحظہ طلب صفحات ۱۲۵ تا ۱۳۳)

۱۴۔ خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، اس لئے ہر شخص کو قانون کی نظر میں مساوی مواقع حاصل ہوں گے، سب کے ساتھ عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل کیا جائے گا، اظہارِ خیال، پابندیٔ عقیدہ کی آزادی ہوگی، دین و مذہب، عبادت و پرستش کی آزادی ہوگی (ملاحظہ طلب صفحہ ۳۱)

۱۵۔ پس ماندہ حلقوں میں ان کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا جائیگا تاکہ وہ ترقی یافتہ افراد سے ہم دوش ہو سکیں اور نظام عدل کی آزادی عملی طور پر محفوظ رہے۔

۱۶۔ وفاقیہ کے علاقوں کی ضیانت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس

کے برّو بحر اور فضاء پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے گا، تاکہ اہلِ پاکستان فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کرسکیں ۔ اقوامِ عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کرسکیں اور امنِ عالم کے قیام اور بنی نوعِ انسان کی ترقی و بہبود میں کماحقہٗ اضافہ کرسکیں ۔

اصولِ جمہوریت

اسلامی اور غیر اسلامی جمہوریت میں بنیادی طور پر فرقِ عظیم ہے مثلاً یہ کہ

(۱) غیر مذہبی جمہوریت اس اصول پر صورت پذیر ہوتی ہے کہ اقتدار کے مالک عوام ہیں مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت اس اصول پر استوار ہوتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ خدا کے لئے ہے ۔ اور عوام کو نیابتہً خدا کی طرف سے اختیارِ حکمرانی حاصل ہے

(۲) غیر مذہبی جمہوریت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ عوام کے منتخب نمائندے قانون ساز اسمبلی بناتے ہیں اور وہ ملک کے لئے آئین وقوانین وضع کرتے ہیں

اسلامی جمہوریت اس کے برعکس ، قانون سازی کو شرک فی الحکم سمجھتی ہے اور کتاب وسنت کے احکام کی تنفیذ کو اپنا فرضِ اولین سمجھتی ہے اس کی دستور ساز مجلس یا مجلس شوریٰ صرف ایسے ضوابط وضع کرسکتی ہے جو تنفیذ احکامِ کتاب و سنت میں معاون ہوں اور قوانین مختص الامر و مختص المقام جو معارضِ کتاب و سنت نہ ہوں وضع کرسکتی ہے ۔

(۳) غیر مذہبی جمہوریت کے معتقدین ادراک حقیقت کے لئے حواس کو ذریعۂ علم سمجھتے ہیں اور بس اس کے برعکس اسلامی جمہوریت وحی کو ذریعۂ علم یقین کرتی ہے س علم سے ادراک حقایق کی داعی ہے ۔

(۴) غیر مذہبی جمہوریت میں فرد امارت یا صدارت کے لئے خود کو امیدوار ظاہر کرتا ہے۔ انتخاب لڑاتا ہے، جد وجہد، جوڑ توڑ کرتا ہے اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں جو شخص امارت کا امیدوار ہو اس کو امارت نہیں دی جانی چاہئے۔

(۵) غیر مذہبی جمہوریت میں امیدوار صدارت عوام کے پاس جاتا ہے۔ ووٹ مانگتا ہے کنونسنگ کرتا ہے، ترغیب و تحریص سے کام لیتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں عوام اس کے پاس جاتے ہیں جس کو اپنا امیر منتخب کرتے ہیں اور اس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے انتخاب کو شرف قبولیت عطا کرے، وہ ان کی منت سماجت سے قبول کرتا ہے تو پھر اس کے حکم کی سماعت و اطاعت کا عہد کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

(۶) غیر مذہبی جمہوریت میں اخلاقی اور معاشی دونوں جہات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا صرف معاشی جہات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور اخلاق میں وہ عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کرتی ہے اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں اخلاق اور معاش دونوں لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔

(۷) غیر مذہبی جمہوریت میں آئے دن حکومت بدلتے رہنے کی وجہ سے قوانین میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک غیر متبدل قانونِ الٰہی پر مبنی ہوتی ہے اس لئے حکومتوں کی تبدیلی سے وہ قانون نہیں بدلتا۔

(۸) غیر مذہبی جمہوریت ان ممالک میں ہی قائم ہو سکتی ہے جہاں کوئی مذہب نہ ہو یا بہت سارے مذاہب ہوں اور وہ ایک دوسرے سے متخاصم ہوں پس نزاعات مذہبی سے گریز کا طریقہ غیر مذہبی جمہوریت کو خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس،

اسلامی جمہوریت صرف ان ممالک میں قائم ہوتی ہے جہاں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہو کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک دین و سیاست دو نہیں ایک ہی ہیں۔

(۹) غیر مذہبی جمہوریت میں ہر شخص کو ایک ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ کسی سیرت و کردار کا مالک ہو۔ مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں ووٹ کے معنی ادائے شہادت کے ہیں اور اسلامی قانونِ شہادت کی رُو سے جو اشخاص جرائم پیشہ، سزا یافتہ، دروغ گو، بے دین، لامذہب، مرتد ہوں ان کی شہادت ناقابلِ ادخال ہوتی ہے۔ اور وہ مردود الشہادت ہوتے ہیں۔

(۱۰) غیر مذہبی جمہوریت میں تشکیلِ حکومت انتخابات سے ہوتی ہے اور انتخابات میں اچھے لوگ اکثر کم آتے ہیں حریص، عیار و چالاک جوڑ توڑ والے افراد منتخب ہو جاتے ہیں پھر حکومت پر ان کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ ان چند افراد کی حکومت عوام کی حکومت کہلاتی ہے مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت مبنی بر شوریٰ ہوتی ہے اور شورائی تنظیم ملک کے مسلّمہ ماہرینِ علوم و فنون پر مشتمل ہوتی ہے جن کے پاس اسناد اور ڈگریاں ہوتی ہیں یا عملی تجربہ ان کا ایسا ہوتا ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا پھر شوریٰ کے دروازے تمام افراد امت پر کھلے ہوتے ہیں۔ اس طرح انتخابات کی بجائے نمائندگانِ عوام کی نامزدگی سے کام لیا جا سکتا ہے اور بیشمار مصارف سے ملک کو بچایا جا سکتا ہے۔

اصولِ جمہوریت کی اس تشریح کے بعد یہ متعین ہوا کہ

(۱۷) اسلام میں جمہوریت کی روح اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ہے۔

(۱۸) مجلس شوریٰ، یا ایڈوائزری کونسل، یا دستور ساز اسمبلی جیسی بھی اس کی صورت

ہو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہوگی جو تابع کتاب و سنت ہوں گے اور ان کا دائرہ کار کسی صورت میں بھی خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریگا۔

(۱۹) مخالفِ اسلام نظریات رکھنے والے افراد یا گروہ چونکہ جمہورِ امت سے الگ ہو چکے ہیں اس لئے جب تک وہ تائب ہو کر داخلِ اسلام نہ ہوں حق رائے دہی سے محروم رہیں گے اور نہ خود انتخاب میں امیدوار ہونے کے مستحق ہوں گے۔

(۲۰) فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

قرآن مجید کا یہ حکم مسلمانوں کے معاشرے کو ظالموں سے پاک رکھنا چاہتا ہے، اور مسلمانوں کو ظالموں کے ساتھ بیٹھنے سے مجلس آرائی سے منع کرتا ہے۔ خواہ وہ مجلسِ دستور ساز ہو یا مجلسِ شوریٰ ہو یا ایوانِ حکومت ہو اور ظالم کی تعریف یوں کرتا ہے کہ:۔

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

یعنی وہ لوگ جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کو نافذ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔

دوسری آیتوں میں فرمایا گیا وہی فاسق ہیں وہی کافر ہیں۔" اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے ہر فرد منزل من اللہ احکام کی تنفیذ کا پابند ہے اور افرادِ امت کی ہیئت اجتماعیہ بھی پابند ہے۔ کہ وہ احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ کا اہتمام رکھے اور حکومتِ اسلامی بھی جو مسلمانوں کی نمائندہ ہے ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی حکومت کو احکامِ الٰہیہ کی حدود میں مقید رکھے

حکومت کے انتخابات میں، حق نمائندگی اور حق انتخاب مسلمانوں تک محدود رکھا جائے نظام شورائی نیابی کی تشکیل و تطہیر کے لئے نہایت ضروری ہے کہ مخالفِ اسلام، مخالفِ پاکستان نظریات رکھنے والے افراد کو اس نظام میں شریک و دخیل ہونے کا حق حاصل نہ ہو

(۲۱) اگر کوئی فرد یا افراد چور دروازے سے جمہوریتِ امت کے حصار میں یا اسلامی حکومت میں داخل ہو جائیں گے۔ تو اُن کے اخراج کا حق از روئے قانون محفوظ ہوگا۔ منتظمہ اخراج میں کوتاہی کرے گی تو عدلیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور ایسے افراد صرف اخراج ہی کے مستحق نہوں گے بلکہ فریب دہی، دغا دہی مجرمانہ کے جرائم میں سزایاب ہوں گے اور منتظمہ کے وہ افراد جو ان کے حامی رہے ہوں گے وہ بھی اعانت کی پاداش میں سزایاب ہوں گے۔

(۲۲) حکومت کے وہ احکام جن پر یہ گمان ہوگا کہ وہ معارضِ کتاب وسنّت ہیں " عدلیہ " طرف رجوع کئے جائیں گے اور عدلیۂ دورانِ تحقیقات میں حکمِ امتناعی جاری کرنے کی مجاز ہوگی کہ ان احکام یا حکم کا نفاذ نہ ہو۔

(۲۳) عدلیہ سے رجوع کا اختیار ہر مسلمان کو حاصل ہے (منفرداً ومجتمعاً) یہ شرط اس گٹھ جوڑ کے امکان کا سدِّ باب کرنے کی غرض سے ہے۔ جو مقننّہ اور منتظمہ میں ہوتا ہے اور پھر داد فریاد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اسلامی قوانین

مقننہ ——— عدلیہ ——— انتظامیہ

ریاست ... کی سیاسی تنظیم سے پہلے ایک مخصوص نوعیت کا معاشرہ موجود ہونا ضروری ہے۔ یعنی

★ اسلامی ریاست کے لئے اسلامی معاشرہ، اور ———

★ سرمایہ داری نظام معیشت کی حامل ریاست کے لئے اباحتی معاشرہ، اور۔

★ اشتراکی یا اشتمالی معاشرے کی حامل ریاست کے لئے مزدور کے محدود مفاد پر منظم ہونے والا اشتراکی یا اشتمالی معاشرہ ———

ہمارے معاشرہ میں جب ڈیڑھ سو سالہ مستعمراتی نظام کے زیر اثر، اسلامی ثقافتی فضائل کے اعتبار سے، اختلال واقع ہو چکا ہے اور اس صورت میں کہ :-

نظام تعلیم لادینی ہے ——— معاشرہ لادینی ہے ———

سیاست لادینی ہے اور عقیدے کا کوئی اثر تعلیم، معاشرت، معیشت، اور سیاست پر نہیں ہے۔ عقیدہ وہم باطل بن چکا ہے اور عبادات رسوم وظواہر میں تبدیل ہو گئی ہیں، آئین اور منتظمہ اور عدلیہ کے مباحث سے قبل یہ سوال ضروری ہے کہ مقننہ، عدلیہ، اور انتظامیہ جس معاشرے کے فضائل کے تحفظ کا ذریعہ ہیں، وہ اپنے نمونۂ اصلی پر کیونکر استوار ہو سکتا ہے ——— یعنی، وہ عقائد جو اوہام باطلہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور وہ عبادات جو رسوم وظواہر بن گئی ہیں، اُن کو عقائد راسخہ اور حقیقی عبادات میں بدلنے اور ان عبادات وعقائد کا اثر عملی زندگی پر لانے کی کیا تدبیر ہے؟

زندگی ایک بامقصد عمل ہے اور انفرادی واجتماعی ہر پہلو میں تنظیم کی طلبگار ہے معاشرہ کے منظم ہونے ہی کا نام ریاست ہے اور وہ "تنظیم" نام ہے معاشرے میں حاکم:

محکوم کے وجود میں آنے کا۔ تنظیم کے بعد حاکم کو محکوم سے اطاعت کا مطالبہ کرنے کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے اور قرآن مجید ان الفاظ میں اطاعت کو لازم کرتا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم اور سوائے اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اطاعتِ الٰہی کی کوئی صورت متصوّر نہیں، اسی طرح سیاسی تنظیم میں اطاعتِ اولی الامر کے بغیر، اطاعتِ رسولؐ متصوّر نہیں۔

اس طرح سیاسی تنظیم کی حیثیت مقصود بالذّات نہیں بلکہ ایک ناگزیر ذریعہ کی ہے اور سیاسی تنظیم میں جب تک تناقض رفع نہ ہو، اُس وقت تک ریاست کا اسلامی ہونا متصوّر نہیں۔ تناقض کی صورت یوں پیدا ہوتی ہے کہ جب معاشرہ منظم ہو جاتا ہے یعنی حاکم اور محکوم وجود میں آجاتے ہیں تو مُطاع کو اطاعت طلب کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن طلب اطاعت کا یہ مطالبہ، ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لئے کیا جا رہا ہو تو تنظیم مستبدانہ ہو جاتی ہے اور اُس کی عدلیہ، ظلم کا حربہ بن جاتی ہے۔ اُس کا ٹیکس لوٹ بن جاتا ہے۔ اُس کی فوج قصّابی بن جاتی ہے اور اُس کی پولیس دہشت انگیزی کی شکل اختیار کر لیتی ہے تناقض کے رفع ہونے کی شرط یہ ہے کہ اطاعت، محکوموں کی فلاح و بہبود کے لئے کرائی جائے اور اس قسم کی صورتِ حال اُس وقت ممکن ہے جب حاکم و محکوم یکساں طور پر خدائی قانون (مُنزّل من اللہ) کے تابع ہوں۔

مُنزّل من اللہ قانون کے بجائے کسی اور بنا پر فیصلہ کرنا قرآن مجید کی رو سے اسی لئے کفر، فسق اور ظلم ہے کہ خدائی قانون کے علاوہ کسی اور قانون کو واجب التعمیل قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں مقننہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہر قانون نصُوص کی بنیاد پر سُنّت اور اجماع کی روشنی میں استحسان کے پیشِ نظر متعیّن ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے میں انتظامیہ اور عدلیہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انتظامیہ کا وظیفہ اصلی حقوق کا ادا کرنا ہے اور انتظامیہ و عدلیہ میں تصادم اُس وقت تک محال ہے جب تک انتظامیہ، حقوق ادا کرنے کے بجائے، حقوق سلب کرنے کو اپنا وظیفہ نہ سمجھ لے۔

جو معاشرہ "سرمایہ داری نظام معیشت" کا حامل ہونے کی وجہ سے انفرادی آزادی اور چند افراد کے انفرادی حقوق کے مطالبے کی بناء پر منظم ہوتا ہے اور اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ تو اس میں منتظمہ اور عدلیہ کے درمیان کشمکش ابھرتی ہے۔ اگر چند سرمایہ دار اپنے مفاد کی حفاظت اور اپنی آرزو کے مطابق آئین وضع کرائیں اور رائج الوقت قانون، ان کے مقاصد کے حصول کے ذریعے کے طور پر وضع اور نافذ ہو تو عدلیہ کو منتظمہ کے تابع ہونا نہیں چاہیے اور وہ معاشرہ جو سرمایہ داری نظام کی بے انصافی کے خلاف ردِ عمل کے طور پر "اجتماعی مفادات کے مطالبے" کے نعرے کو لیکر وجود میں آئے، وہ بھی یہ لازم سمجھتا ہے کہ انفرادی آزادی اور انفرادی حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ معاشرہ بھی جو اجتماعی حقوق کے مطالبے پر قائم ہوتا ہے، اس امر پر مجبور ہے کہ منتظمہ کی بالادستی کو تسلیم کرے۔ اس کے بغیر نظم و نسق اس کے مقصد کے حصول سے سازگار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "سرمایہ داری معیشت" کے حامل معاشرے کے خلاف عناد کی بناء پر سوشلسٹک (اشتمالی یا اشتراکی) معاشرہ وجود میں آتا ہے اور اس پر اپنی مصلحتیں اور اپنے مفادات اتنے غالب ہیں کہ اُس کے نزدیک اخلاق بھی حصولِ مقصد کے ذریعے کی حیثیت سے متصوّر ہے اور مقصد کا حاصل ہونا نیکی اور اُس سے محروم ہونا بدی ہے —— اندریں صورت عدلیہ اور مقننہ اور دستور ساز ادارہ اُسی مقصد کے تابع ہے اور ایسے معاشرے میں انتظامیہ اور عدلیہ کی کشمکش متصوّر نہیں کیونکہ کوئی فضیلت، حصولِ مقصد کا ذریعہ ہونے کے علاوہ کسی اور طرح ممکن نہیں۔

یوں غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آئین کی اہمیت صرف "سرمایہ داری نظام معیشت" میں ہے۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں "مشینی صنعتی سرمایہ دارانہ نظام" پر قائم ہیں۔ دونوں کے نزدیک معاشی مفاد یکساں اہم ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اشتمالی اور اشتراکی معاشرے میں جس کی حیثیت "صنعتی نظام کی جاگیرداری" کی ہے۔ اجتماعی مفاد پر اصرار ہے اور سرمایہ داری نظام کے حامل معاشرے میں انفرادی آزادی اور چند افراد کے انفرادی حقوق پر اصرار ہے اسطرح سیاسی تناقض نہ تو سرمایہ داری کے

کے حامل معاشرے میں رفع ہوتا ہے نہ اشتراکی اور اشتمالی نظام کے حامل معاشرے میں اور نہ انفرادی و اجتماعی حقوق کا تصادم، ان دونوں میں سے کسی نظام میں رفع ہونا ممکن ہے۔ بجز اس کے کہ سرمایہ داری اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے تصادم کو رفع کر دے اور اشتمالی یا اشتراکی نظام، انفرادی آزادی اور انفرادی حقوق کو سلب کر کے تصادم کو رفع کر دے۔

یہاں سے دو بنیادی سوال پیدا ہوتے ہیں :-

—★ ۱ — سیاسی تناقض کیسے رفع ہو؟۔

—★ ۲ — اور، انفرادی و اجتماعی حقوق کا تصادم کیسے رفع ہو؟

— (۱) سیاسی میثاق ایک مشروط میثاق ہے اور اُس میں معاہدے کی پابندی اس وقت تک حق بجانب ہے جب تک وہ شرائط پورے ہو رہے ہوں اور وہ مقاصد حاصل ہو رہے ہیں جس کے لئے وُہ میثاق وجود میں آیا ہے۔ ہر معاشرہ کے اندر اور باہر اختلال پیدا کرنے والی قوتیں انضباط و انقیاد کے مؤثرات کے متوازی، بعینہٖ اُسی طرح مصروف عمل ہیں، جیسے انسان کے نظام جسمانی میں تحلیل و تغذیہ کے قوٰی سیاسی تنظیم کا مقصود یہ ہے کہ اُن مؤثرات اختلال کا تدارک کیا جائے جو معاشرے کے باہر اور اندر اُس کے وجود اور اُس کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے اجتماعی تنظیم بیک وقت دین بھی ہے اور سیاست بھی۔ ان دونوں کو جداگانہ حیثیت دینا اُن تنظیموں کے لئے ضروری ہوتا ہے، جن کی اساس جغرافیائی، نسلی یا معاشی مفاد کی وحدت اور وفاداری پر قائم ہوتی ہے اور ایسی تنظیمیں سیکولر یعنی لادینی اس لئے کہی جاتی ہیں کہ اُن کے مقاصد اعلیٰ میں اخلاق اور مذہب اس لئے شامل نہیں ہوتا کہ اخلاق اور مذہب ذاتی، شخصی، باطنی، نجی زندگی کا جزو متصور ہوتے ہیں اور اصولاً اخلاق اور مذہب میں عدم مداخلت کو اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مؤقف کے اختیار کرنے سے مذہب اور اخلاق کا انفرادی، نجی، شخصی، ذاتی اور باطنی کردار ہونے کی وجہ سے عقیدے کا وہم باطل بن بنا لازم آتا ہے اور عبادات کا رسوم و ظواہر بن جانا ضروری ہو جاتا ہے ——— - ———-

اس صورت میں مذہب اور اخلاق کی حیثیت، سیاسی وہم باطل (POLITICAL MYTH) کی ہو جاتی ہے جسے سیاسی مصلحتوں کے لئے یا استحصال کے لئے تو ضروری سمجھا جاتا ہے، مگر ویسے زندگی میں اُس کا کوئی مقام نہیں ہوتا ـــــ اگر عقائد کو عقائدِ راسخہ اور رسوم ظواہر کو، بادات حقیقی میں بدلنا درکار ہو، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا تو انسانی زندگی میں رجوع الی اللہ کے محرکات کو قرآن مجید کی روشنی میں تلاش کرنا درکار ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (الاعراف آیت ۹۴، ۹۵)

اس آیۂ مبارک کی روشنی میں ہمیں اس سوال کا جواب میسر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب میں اخلاقی اور روحانی سیرت کی تشکیل اور استقامت کے محرک وہ شدائد تھے جو اصحابِ حق پر اصحابِ باطل کی طرف سے توڑے گئے۔ قرآن مجید کی رُو سے رجوع الی اللہ کے نفسیاتی محرک دو ہیں۔

— ★ اولاً کوئی بہت بڑی آرزو، جس کی تکمیل کے لئے ذاتی وسائل کفایت نہ کریں تو "استعانت باللہ" ضروری ہو۔

— ★ اور دوسرا محرک کوئی بہت بڑا خطرہ، جس کے پیش نظر خدا کی پناہ میں آنے اور محفوظ رہنے کی دعا ضروری ہو جاتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ (یونس ۲۲)

انہی حالتوں میں واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کی تاکید کی گئی ہے

وہ مؤثرات انتقال جو معاشرے کے اندر سے اُبھرتے ہیں، اسلام کے قانون تعزیری

سے دبائے جا سکتے ہیں اور قانونِ تعزیری اُس وقت تک قانون نہیں، جب تک اُس کے پیچھے قوتِ نافذہ کی پُشت پناہی موجود نہ ہو، جیسا کہ اس حدیثِ پاک سے ظاہر ہوتا ہے :- الشریعۃ تحت السیف۔

بیرونی اور اندرونی مؤثراتِ اختلال کا تدارک کرنے کے لئے جو ہئیتِ اجتماعیہ منظم ہو کر ریاست کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اُس کے سیاسی تناقض سے آزاد ہونے کی ضمانت، اس طرزِ عمل میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے خطبۂ افتتاحیہ میں فرمایا کہ:- "میرا کوئی حکم جو کتاب و سُنّت کے خلاف ہو، اُس کی اطاعت تم پر لازم نہیں ہے۔"

بالفاظ دیگر اُس شرط کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے، جس کے پورا ہونے سے سیاسی تناقص رفع ہو جاتا ہے۔ ایک جوازِ بغاوت کی دستاویز مہیا فرمادی، کیونکہ اسلام کی رُو سے جب تک تابع اور متبوع، حاکم اور محکوم، مطاع اور مطیع دونوں، خدائی قانون کے تابع فرمان نہ ہوں، اسلامی ریاست وجود میں نہیں آسکتی۔

— (۲) اسلام کے پیشِ نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جو جغرافیائی وفاداری پر نہیں، نسلی وحدت پر نہیں، معاشی مفاد کے ایک ہونے کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نوعِ انسانی کی وحدت کی بنیاد پر قائم ہو — اور، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہئیتِ اجتماعی اُس عناد سے پاک نہیں ہو سکتی، جو محدود وفاداریوں کی بناء پر منظم ہونے کی وجہ سے دوسری تنظیموں کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ یہ معاشرہ اخلاقی جدوجہد کرنے والے روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو اور قرآن مجید اس باب میں کامل ہدایت مہیا کرتا ہے کہ افراد، معاشرہ کیونکر بن سکتے ہیں —— اسلام چاہتا ہے کہ اس معاشرے کی جدوجہد کا رُخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہیں اور وہ تحفظ کی حتمی تدبیر مہیا کرتا ہے۔

قرآن کی رُو سے سیرت کے اخلاقی نمونے پر ڈھلنے کی شرط یہ ہے کہ نہ صرف فضائلِ اخلاق کی فہرست اور معیارِ اخلاق معلوم ہو، بلکہ اخلاقی جدوجہد میں استقامت کے لئے

نمونۂ کمال اور نفسیاتی محرک بھی حاصل ہو۔ قرآن کی رُو سے حکم معیار ہے۔ جو افعال، اتباعِ حکم میں صادر ہوں، وہ نیکی ہیں اور جو اعمال حُکم کی خلاف ورزی میں سرزد ہوں وہ بدی ہیں ـــــ دوسرے لفظوں میں حکم کے واجب التعمیل ہونے کا شعور فرض ہے اور فرض کی بجا آوری جو ایتائے حقوق کا دوسرا نام ہے "نیکی" ہے۔ انفرادی اور اجتماعی فرائض کی بجا آوری محرکِ عمل ہو تب ہی انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تصادم ختم ہو سکتا ہے اور یہ تصادم، نہ سرمایہ داری کے حامل معاشرے میں ختم ہو سکتا ہے، نہ اشتراکی نظام کے حامل معاشرے میں۔ مطالبۂ حقوق سے بہائم کا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور حقوق کے تصادم کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

(۱) اسلامی معاشرہ، ایتائے حقوق کے اصرار پر قائم ہے اور اسی لئے جب فقہ میں حقوق العباد کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو وہاں حقوق کی ادائیگی پر اصرار مدِّ نظر ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر کا کوئی نعرہ باز، خواہ وہ انفرادی حقوق کا نعرہ لگا رہا ہو یا اجتماعی حقوق کا ـــ حقوق کے متوازی فرائض کا تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتا اور فرائض کے بغیر زندگی، بہائم کی زندگی بنتی ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو اس کی احتیاج ہے کہ اگر وہ انسانی زندگی کو اپنے اپنے انداز میں حقوق سے محروم کر دینے پر مُصر نہ ہوں تو اُنھیں مطالبۂ حقوق کے بجائے، ایتائے حقوق کا مُوقف اختیار کرنا چاہیئے ـــ جب تک انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تصادم رفع نہ ہو، اسلام کا نعرہ لگانا، اشتراکیت کو اس لئے مضبوط کرے گا کہ اُس میں سرمایہ داری کی دشمنی کا نفسیاتی محرک موجود ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جاتا اور ایتائے حقوق کے بغیر سرمایہ داری کے خلاف احتجاج کرنے والوں کی نظر میں اسلام اور سرمایہ داری ایک سطح پر آجاتے ہیں۔ وہ سیاسی فکر جو ابھی مدارجِ ارتقا سے گزر رہا ہے، نشوونما کی جدلیت کے دو[2] مدارج طے کر پایا ہے۔ ایک یہ کہ ریاست کا وظیفہ صرف اخلاقی ہے۔ یعنی لوگوں کی جان، مال، آبرو کو محفوظ کر کے اُنھیں اخلاقی کمال حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچانا۔

۱- موقف کے ردِّ عمل کے طور پر دوسرا پہلو وظیفۂ ریاست کی صورت میں ظاہر

ہوا ہے کہ ریاست کا وظیفہ ہرگز اخلاقی نہیں، بلکہ صرف معاشی ہے۔ یعنی تقسیم دولت میں انصاف بہم پہونچانے والی تنظیم کا۔ حالانکہ عصر حاضر کی تاریخ میں ان دونوں نظریات کی نشو ونما سے بہت پہلے اسلامی ریاست خلافت راشدہ کی صورت میں اس پر مُصر ہے کہ اُس کا وظیفہ بیک وقت اخلاقی اور معاشی دونوں کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض تقسیم وظائف میں مساوات پر مُصر ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس مساوات کے اصول کو اپنے اوپر لازم کرنے کی احتیاج محسوس کرلی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ دجلہ کے کنارے اگر ایک کتا بھوک پیاس سے مرجائے تو قیامت میں اُس کی بازپرس بھی عمر سے ہوگی ۔۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ریاست کا وظیفہ اخلاقی اور معاشی دونوں ہے اور افراد کی زندگی سے تخلیقی جدوجہد کا تعطل دور کئے بغیر، نہ اخلاقی کمال متصور ہوسکتا ہے، نہ معاشی خوشحالی اور نہ اسلامی ریاست اس کے بغیر اپنے وظیفۂ اصلی کی ادائیگی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتی ہے۔

اگر اسلامی ریاست کا وظیفہ، معاشی عدل بھی ہو تو اُس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مختلف معاشی نظاموں میں جو طریق تخلیق سے متعین ہوتے ہیں۔ اُن میں دخل اندازی کرے اور اپنی مداخلت سے معاشی بے انصافی اور معاشی عدم توازن کے راستوں کو روکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دو نظام رائج تھے:۔

بدوی زندگی میں گلہ بانی نظام، جس کے معاشی تصورات یہ تھے کہ مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا، دولت کم ہونا یا نہ ہونا افلاس ــــــــ اور جن لوگوں کی زندگی میں معاشی تعطل ہوا سے وسائل تخلیق یعنی مویشیوں کی ایک تعداد مہیا کرکے رفع کرنا، اخلاقی فضیلت اور معاشی توازن۔ دوسرا نظام معیشت، جو حضری زندگی میں رائج تھا، تجارتی سرمایہ دارانہ نظام تھا جس کے معاشی تصورات یہ تھے کہ سونا چاندی مال، نصاب اور وہی راس المال تھا۔ جسے سونا چاندی، راس المال کی حیثیت سے میسّر تھا، وہی دولتمند تھا اور جو اس سے محروم تھا وہ افلاس کا شکار تھا اور جس کی زندگی میں تجارتی سرمایہ دارانہ طریق تخلیق سے افلاس رفع کرنا اور تعطل دور کرنا درکار تھا، اُسے سونا چاندی مہیا کردینا

ضروری تھا، اس نظام کا تحفظ مشرکانہ مذہب کے سہارے ہو رہا تھا اس لئے اس نظام تخلیق کی حمایت میں توحید کا انکار اور رد لازم تھا۔ جس میں توحید کی بنیاد پر معاشی توازن پیدا کرنے کی بنا پر عام نفع بخشی کا انداز پیدا ہوا اور وہ نظام توحید کی بنا پر منظم معاشرے سے تصادم کی تاب نہ لا سکا۔

کہیں کہیں آبپاشی کے وسائل مہیا تھے۔ وہاں زراعت کو بھی معاشی طریق تخلیق کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر مذکورہ بالا دونوں نظام تخلیق ہی معاشی نظاموں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب اسلام کی فتوحات میں توسیع ہوئی اور بہت بڑے بڑے ممالک فتح ہو گئے تو زرعی نظام غالب معاشی نظام کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جس کے معاشی تصورات یہ تھے کہ قابل کاشت زمین، ہل بیل، بیج، وسائل آبپاشی اور کاشتکاروں کے لئے نئی فصل آنے تک اناج اور مویشیوں کے لئے چارا مہیا ہو تو معاشی اعتبار سے آسودگی، اور معاشی تخلیقی جدوجہد میں اضافہ متصور ہو گا اور یہ وسائل مہیا نہ ہوں تو معاشی تخلیق میں تعطل اور افلاس متصور ہوتا تھا۔ جب زرعی نظام کی توسیع اور اُس کے زیر اثر تجارتی سرمایہ دارانہ نظام کی نشو و نما ہوئی تو زرعی نظام سے ایک عام معاشی توازن اور معاشی آسودگی پیدا ہوئی اور ایک طویل عرصے کے بعد زرعی طریق پیداوار کرنے کے لئے جاگیرداری نظام وجود میں آیا جس میں خیر کا پہلو یہ تھا کہ جاگیردار کو ریاست کے نمائندے کی حیثیت حاصل تھی۔ مالکانہ حقوق حاصل نہ تھے اور اس کے وقار کی شرط یہ تھی کہ اُس کے حیطۂ اقتدار میں کوئی فرد حاجتمندی میں مبتلا نہ رہے اور حاجتمندی کا ازالہ وسائل پیداوار کی تقسیم کے بجائے، پیداوار کی تقسیم سے عمل میں آرہا تھا اور یہی جاگیرداری نظام کا ضعف تھا۔ کیونکہ اس میں معاشی استحکام کے دوام کی ضمانت نہ تھی۔ اگر جاگیردار پر مزعومہ مفادات غالب آجائیں تو معاشی استحکام کا ختم ہو جانا ضروری تھا۔ جاگیرداری نظام کی پشت پناہی ملوکیت کے سیاسی نظام سے ہو رہی تھی۔ جب سیاسی اعتبار سے شخصی ملوکیت کا نظام زوال پذیر ہوا اور معاشی اعتبار سے جاگیرداری نظام رو بہ انحطاط ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب میں مستعمراتی نظام ابھر رہا تھا۔ مستعمراتی نظام کی ٹکر جب سیاست میں

زوال پذیر ملوکیت سے اور معیشت میں زوال پذیر جاگیرداری نظام سے ہوئی تو ہر وفاداری
کے باوجود ملوکیت اور جاگیرداری نظام کی حمایت کرنے والے عوام اپنے اندرونی ضعف
کی بنا پر اُسے بچا لینے سے معذور ہو گئے اور استعماری نظام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

یہیں سے اسلام کے اجتماعی نظام کا زوال شروع ہوا۔ جو لوگ خلافتِ راشدہ
کے بعد سے اسلامی اجتماعیت کے زوال کا نظریہ قبول کرتے ہیں وہ ایک طرف تو اس سے
عاجز ہیں کہ خلافتِ راشدہ کو بھی معیاری اجتماعی نظام منوا سکیں، کیونکہ قرآنی نقطۂ
نگاہ سے اسلامی تاریخ کی صحیح تعبیر کئے بغیر خلافتِ راشدہ بھی جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی
وجہ سے تصویر پیش کرتی ہے (معاذ اللہ) اور دوسرے خلافتِ راشدہ
کے فوراً بعد نظام ملوکیت کے غالب آجانے کو قبول کرنا بھی اس بات کے مترادف ہے کہ
خلافتِ راشدہ کے بعد سے اسلاف کی چودہ سو برس کی تاریخ اسلام سے اِباء، انحراف،
انکار، سرکشی اور بغاوت کی تاریخ ہے ـــــ اور یہ غلط فہمی اس بات کو نہ سمجھنے کی
وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اولی الامر کے منصبِ اقتدار پر فائز ہونے کا طریق کار کیا ہے؟
ـــــ حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ اولیٰ میں وہ عام انتخاب ہے۔ خلافتِ ثانیہ میں وہ
نامزدگی ہے جس کے لئے بعد میں تائیدِ عامہ حاصل ہو گئی۔ خلافتِ ثالثہ میں وہ انتخاب ہے
یعنی سلیکشن۔ خلافتِ رابعہ میں نہ پھر عام انتخاب ہے اور اب صرف ایک طریق کار
باقی رہ گیا کہ اگر کوئی شخص قوت کی بنا پر برسرِ اقتدار آجائے اور یہ ضمانت دے کہ اُس کا
اقتدار اسلامی مصالح کی خاطر استعمال ہو گا اور خود اس کے لئے اسلامی قانون واجب التعمیل
ہے تو یہ سیاسی تنظیم قابلِ قبول ہو گی یا نہیں؟ ـــــ ہمارے فقہا نے اسے جائز سمجھا ہے
اسے ناجائز سمجھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ملوکیت کی معنیٰ طرازی میں ہم "کنگ شپ"
کا مفہوم مغربی فکر سے حاصل کریں کہ بادشاہ وہ ہے جو خود کسی قانون کا تابع فرمان
نہ ہو اور اُس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو قانونی حیثیت حاصل ہو۔ حالانکہ چودہ
سو برس کی تاریخ میں ایک دن کے لئے بھی اس انداز کی ملوکیت وجود میں نہیں آئی۔

مغرب میں جب ملوکیت کے خلاف احتجاج ہوا تو جمہوری نظام حکومت نے رواج پایا

جمہوریت کی اساس یہ نظریات ہیں کہ ذریعۂ علم حقیقت صرف حواس ہیں اور بنابریں صرف محسوسات کو حقیقت کی حیثیت حاصل ہے اور اس نظام حقیقت میں ایک خوشگوار ہیجان سب سے بڑی غایت ہے اور اس نظریہ سے اخلاقیت کا جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لذت کوشی معیار اخلاق ہے اور اس بناء پر اجتماعیت کی اساس یہ قرار پائی ہے کہ جغرافیائی وفاداری یا نسلی وحدت سے وفاداری یا معاشی مفاد کے ایک ہونے سے وفاداری، اساس اجتماعیت ہے۔ افراد میں اُن کی خواہشات حقیقت ہیں اور خواہشات کے اعتبار سے سب افراد برابر ہیں اور تکمیل خواہش کے لئے منظم ہونا ضروری ہے اور یہ تنظیم مطالبۂ حقوق کے لئے قائم ہوتی ہے۔ یہ مطالبہ مطلق العنان سلاطین کے خلاف پیدا ہوتا ہے جن کا موقف یہ تھا کہ سیاسی تنظیم میں اولی الامر کی حیثیت، حاکم کو حاصل ہے بخلاف اس کے جمہوریت نے یہ موقف اختیار کیا کہ اقتدار حاکم کا نہیں محکوموں کا حق ہے۔ جسے ان کی خواہش کے مطابق پورا کرنا ضروری ہے۔

یہ صورت حال دراصل سیاسی فکر کی نشوونما کی جدلی صورت سے پیدا ہوتی ہے اور یہ دونوں موقف ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ سیاسی نظام میں جمہوریت کی نشوونما کے اس پس منظر کے پیش "اسلامی جمہوریت" کے نام سے یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے اسلامی فاحشہ کاری، اسلامی بت پرستی، اسلامی سودخوری اور اسلامی کفر اور بالکل اسی طرح اسلامی سوشلزم کا نعرہ بھی ہے۔

معاشی نظام طریق پیداوار سے متعین ہوتا ہے اور طریق پیداوار تاریخی جبر ہے۔ ہم نے گلہ بانی نظام کو اپنے مقاصد سے سازگار بنانے کے لئے ضروری تصرفات کر کے اُسے اپنا لیا۔ تجارتی سرمایہ داری نظام کو بھی ہم نے اپنے مقاصد سے ہم آہنگ کر کے اپنایا۔ تجارتی سرمایہ داری نظام کو بھی ہم نے اپنے مقاصد سے ہم آہنگ کر کے اپنایا۔ زرعی نظام کو بھی بعض ضروری شرائط لازم کر کے قبول کیا۔ جاگیرداری نظام کو بھی اپنے مقاصد کا ہم آواز کر کے اپنا لیا۔ اس کے بعد جب معاشی انقلاب کی قیادت اور سیاسی سیادت ہمارے ہاتھ سے چھن گئی اور ہم ستمراتی

نظام کی گرفت میں آگئے تو استعماری نظام معیشت میں حسب خواہش تصرفات کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے مگر استعماری نظام معیشت جس کے خلاف احتجاج کے طور پر قومی آزادی کا مطالبہ ہوا اور مغرب میں صنعتی سرمایہ داری نظام غالب آگیا جس کے معاشی تصورات یہ تھے کہ تخلیقی محنت ایک فروختنی جنس ہے۔ اگر محنت کے خریداروں کی تعداد بہت کم ہو اور محنت کشوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور سرمایہ دار طبقہ محنت کے خریداروں کی تعداد کے کم سے کم رکھنے پر بضد ہو تو زندگی افلاس اور معاشی تعطل کا شکار ہو گی اور اگر محنت کے خریداروں کی تعداد بڑھائی جا سکے جسے اسلام بڑھانا چاہتا ہے اور اس تعداد کو بڑھا کر ہی محنت کشوں کی آسائش میں اضافہ کر سکتا ہے تو بعض ضروری تصرفات کے ساتھ صنعتی تخلیق کے نظام کو بھی اپنانا ضروری ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تصادم ختم کیا جا سکے اور اگر سوشلزم کو ایک مختلف نظام تخلیق مان لیا جائے جس میں اجتماعی اور انفرادی حقوق کا تصادم اس لئے نہیں ہوتا کہ سوشلزم انفرادی حقوق کے انکار پر بضد ہے تو اس صورت میں اسلام کے تحفظ کی صرف یہ صورت ہے کہ اجتماعی حقوق کی بنیاد پر معاشرہ قائم کرنے کے لئے سوشلزم کے انقلاب کا تدارک، اسلام کے جوابی انقلاب سے کیا جائے۔ جب ہی یہ ممکن ہو گا کہ اسلامی ریاست اخلاق اور معیشت دونوں کو اپنا وظیفہ قرار دے۔ اخلاق اور معیشت کے ربط سے سرمایہ داری نظام اور اشتراکی یا اشتمالی نظام دونوں کو ہی انکار ہے۔ سوشلزم کا احتجاج انفرادی سرمایہ داری کے خلاف ہے جسے سوشلزم سیاسی انقلاب سے ختم کرنا چاہتا ہے اور انفرادی سرمایہ داری نظام میں ہر چیز کو قابل خرید و فروخت جنس قرار دیدیا گیا ہے چاہے وہ دین ہو یا دانش، عصمت ہو یا تقویٰ۔

اندریں صورت سرمایہ دار مذہب کے نعرے کو بھی اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس صورت حال نے اشتمالیت یا اشتراکیت کے نقطۂ نظر سے اسلام اور سرمایہ داری کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اگر انفرادی سرمایہ داری نظام اپنے اندرونی ضعف کی بنا پر سوشلزم کی جارحیت کے مقابلے میں خود کو باقی نہ رکھ سکے تو مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور فقہی احکام میں حقوق کے درمیان ہر نوعیت کے تضاد کو ختم کرنے کی ضمانت ہے۔ اس لئے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ اگر طاقت سے جوابی انقلاب کے انداز میں سوشلزم کی تحریک کا تدارک نہ کیا گیا تو احکام فقہی کے پیچھے، قوت نافذہ کی پشت پناہی سے محروم ہو کر اسلامی ریاست نہ تو اپنا معاشی وظیفہ انجام دے سکے گی اور نہ اخلاقی وظیفہ۔

زندگی ایک وحدت ہے اور اخلاق اور معیشت باہم دگر جوابی، اضافی، مستضافی، وجوبی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اس ربط کے نقطۂ نگاہ سے اسلامی مقاصد کے لئے سوشلزم کے جواب میں سیاسی اور معاشی انقلاب کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں لائے بغیر نہ تو اسلامی ریاست کا وجود ہوگا نہ اُس کی عدلیہ اور انتظامیہ کا۔

(اسلامی انقلاب زندہ باد)

اسلامی آئین کی شرائط

سب سے بڑی رکاوٹ جو جدید ترین ذہن کو اسلام، اسلامی ریاست اور اسلامی آئین کے بارے میں درپیش ہے یہ کہ

۱- عصرِ حاضر مذہبی اور اخلاقی فضائل کے لئے ایک چیلنج ہے. اگر انسانی علم ترقی کر رہا ہے اور انسانی شعور تجربے کی روشنی میں وسیع تر ہوتا جا رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک فردِ واحد (روحی فداہ) علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شخصیت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے معیار کمال اور ایک ہی کتاب جس کا نزول اب سے چودہ سو برس پہلے ہوا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرچشمۂ ہدایت کیسے متصور ہو سکتی ہے اور اسلام کی تاریخ کا وہ دور جو تیس سالہ مدت پر مشتمل ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیسے بہ اعتبار خلافت علیٰ منہاج النبوت کیونکر سیاسی تنظیم کا نمونۂ کمال متصور ہو سکتا ہے؟

۲. اگر زندگی متحرک ہے اور مدارج ارتقا طے کر رہی ہے تو زندگی کے ارتقائی پہلو سے صرفِ نظر کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

۳. ایک ریاست کے لئے آئین ایک ناگزیر احتیاج ہے اور اسلام دورِ وسطیٰ کا نظام ہے اور پاکستان جمہوریت کے ماحول میں ایک جدید ریاست ہے اس مشکل کے ہوتے ہوئے پاکستان کا آئین اسلامی کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسلامی ریاست کی نسبت نہ تو یہ متعین ہے کہ اس کا نظام آمریت ہے. نہ یہ واضح کہ وہ جمہوری ہے. نہ یہ کہ اسلامی ریاست میں سربراہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کا معین طریق کار کیا ہے.

۴. عصر حاضر کی روح اخلاق و مذہب کے بجائے معقولیت اور سیاست پر مصر ہے.

یہ سب مشکلیں عصر حاضر سے مرعوبیت کے نتیجہ میں پیدا ہو رہی ہیں جس میں سوچنے

کا انداز یہ ہے کہ لامعبود الا الشہوت اور لاموجود الا البطن سب سے پہلے تو اس مسئلے پر ذہن کو صاف رکھنا درکار ہے۔ کہ فضائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامل ہیں۔ جیسے اخلاق اور مذہب اور دوسرے وہ فضائل ہیں جن میں ارتقا منصور ہے جیسے "علم" اور "معاشی تخلیق کا عمل"۔ ارتقاء کا نتیجہ یہ ہے کہ جو حقائق ترقی پذیر ہیں، وہ سادہ سے پیچیدہ، اور پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جارہے ہیں۔

دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ حق و باطل کی آویزش ہی ازل سے کائنات کا قانون ہے۔ نفع بخشی حق ہے اور مزعومہ مفاد باطل ہے اور محدود وفاداریوں پر تنظیمات فتنہ کا موجب ہیں اور عالمگیر اساس پر تنظیم، امن و عافیت کی ضامن ہے۔ اور پہلی اسلامی ریاست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں "مدینہ طیبہ کی شہری ریاست" کے نام سے ۶۲۲ء میں وجود میں آئی تھی

اس کے مسائل اور پاکستان کے مسائل ایک ہوں تو ان دونوں ریاستوں کا طریق کار بھی ایک ہونا چاہیے کیونکہ آئین دراصل کسی ریاست کا آئین ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے جس کے تحت کوئی معاشرہ منظم ہوتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کی جدوجہد کرتا ہے جن سے وہ اپنی بقاء کو وابستہ سمجھتا ہے۔ بالفاظ دیگر آئین فی الحقیقت کسی ریاست کی اپنی غایت کو حاصل کرنے کا پہلے سے متعین کیا ہوا وہ مرتب طریق کار ہوتا ہے جس میں اس کے معاشرے کی بقاء اور ترقی کی ضمانت ہو۔ اس طرح ہیئت عمرانی کا اپنے نمونہ کمال کے مطابق ترقی کرنا مقصود ہوتا ہے آئین ایک ذریعہ ہے اور یہ ذریعہ فی الحقیقت ریاست کی فکری اساس اور غایت کے تابع ہوتا ہے، اس لئے جو ریاستیں نظام افکار کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں ان کے مقاصد اہم ہیں ان کے حصول کے ذریعہ کی وہ اہمیت نہیں ہوسکتی۔

مدینہ طیبہ کی شہری ریاست اور پاکستان کے درمیان بہت سی مماثلتیں ہیں، جن کی بناء پر ان کے طریق کار کا ایک ہونا بلا امتیاز جدید و قدیم کے لازم آتا ہے مثلاً (۱) مدینہ طیبہ کی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے کفار مکہ اس کے مخالف تھے اور کفار ہند پاکستان کے مخالف تھے اور

ہیں۔ ۲۔ مدینہ طیبہ کے قیام کے وقت کچھ
مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور پاکستان
کے وجود میں آنے کے وقت مسلمانوں کی
بہت بڑی تعداد ہندوستان میں رہ گئی
جن کی جان و مال اور آبرو معرض
خطر میں ہی نہیں بلکہ مستقل معرض ہلاکت میں
ہے، اور یہ مسئلہ مشترک ہے کہ ہمسایہ ملک
سے کیسے مسائل طے کرائے جائیں گے؟

۳۔ مدینہ طیبہ کی شہری ریاست میں
پہلے دن سے کئی غیر مسلم گروہ موجود تھے
اور پاکستان میں بھی پہلے دن سے کئی غیر مسلم
اقلیتیں موجود ہیں۔

۴۔ مدینہ طیبہ میں بھی مہاجر اور انصار
دو گروہ تھے جن کے مفادات میں تصادم ہوتا
تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت
میں رفع ہو جاتا تھا اور پاکستان میں بھی
مقامی و مہاجر دو گروہ ہیں جن کے مفادات
ٹکراتے ہیں اور یہ ٹکراؤ صرف اسی
نمونہ پر رفع ہو سکتا ہے۔

۵۔ مدینہ طیبہ کی شہری ریاست بھی
دوسری ہمعصر ریاستوں کے مقابلے میں
ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ
نظام افکار کی بنا پر وجود میں آئی تھی
دوسری ریاستیں جغرافیائی نسلی یا معاشی
مفاد کی حیثیت پر قائم تھیں اور پاکستان
بھی نظام افکار کی بنا پر وجود میں آیا ہے
اس لئے ایک جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے
اور دوسری ہمعصر ریاستیں جغرافیائی نسلی
اور معاشی مفاد کی وحدت پر قائم ہیں۔

۶۔ مدینہ طیبہ کی شہری ریاست کے
قیام کے وقت بھی دنیا کی بڑی دو طاقتوں
(قیصر و کسریٰ) کے آپس کے عناد کی وجہ سے
امن عالم خطرے میں تھا اور پاکستان کو
بھی یہ سوال درپیش ہے کہ اشتراکی اور
سرمایہ دارانہ نظاموں کی حامل طاقتوں
کے آپس کے عناد کی وجہ سے امن عالم کے
لئے خطرہ ہے اور ہمیں بھی مدینہ طیبہ کی
شہری ریاست کی طرح کسی ایک طاقت
کے اندر اپنے آپ کو ضم کئے بغیر اس مقام
و منصب تک فائز ہونا ہے جس کے بغیر
پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا لہذا
ان مسائل کے مشترک ہونے کی وجہ سے
انہی مسائل کے حل ہونے کے طریق کار کا بھی ایک
ہونا ضروری ہے۔

جو خصوصیت محمد رسول اللہ کو ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے نمونہ کمال اور معیار کمال کی

حیثیت دیتی ہے، یہ ہے کہ آپ نے اپنے
ذاتی مفاد سے بالکل دست بردار ہو کر
خالصۃً لوگوں کی بھلائی کی خاطر جدوجہد
کی تھی اور خلوص اور بے غرضی کی وجہ سے
کوئی اور اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔
آج بھی اس باب میں آپ کے اتباع ہی
سے ہر قائد اپنی قیادت منوا سکتا ہے اس
کے بغیر نہیں۔ اس لئے جدید و قدیم کا امتیاز
بے معنی ہے۔

زمانہ ایک خدا ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

اسلامی معاشرے کی تنظیم سے اسلامی ریاست وجود
میں آتی ہے اور اس کی یہ خصوصیت ہی
اسے اسلامی بناتی ہے کہ اس کی تنظیم میں
تناقض باقی نہ رہے، تناقض یہ ہے کہ تنظیم کے
بعد اطاعت کا مطالبہ محکوموں کی فلاح کے
بجائے ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لئے کیا جائے
اور تناقض کا رفع ہونا یہ ہے کہ اطاعت
کا مطالبہ محکوموں کی فلاح کے لئے کیا جائے
اور یہ جب ممکن ہے کہ تابع اور متبوع
کے لئے ایک ہی قانون یکساں واجب التعمیل
ہو اور جب ممکن ہے کہ مُنزّل مِن اللہ
قانون کے اتباع میں تابع اور متبوع
کو اپنا کمال منتصور ہو۔

جو لوگ ارتقاء کا نام لیتے ہیں، یہ نہیں
سمجھتے کہ دین کی اصل حقیقت تعلق باللہ ہے
جس کا راسخ ہونا دین ہے، اس سے آزاد
ہونا ترقی نہیں زوالِ انسانیت ہے اور
اسلام کی تاریخ کے دو مدارج ہیں، ایک
دورِ نبوت دوسرا دورِ مابعد نبوت
دورِ مابعدِ نبوت کی حیثیت اس تمام ہدایت کی حفاظت
کی جزواً جزواً بازیافت کا دور ہے جو اپنے تمام متضمنات
کے ساتھ تیئیس ۲۳ سال کی مدت
میں نازل ہوئی اور اس دور کی تاریخ
بھی اس معنی میں ارتقاء کی تاریخ ہے کہ
تاریخی تجزیہ بتدریج اس حقیقت کے قریب تر
لے جا رہا ہے جو بتدریج وحی کے ذریعہ
منکشف ہوئی ہے مگر ارتقاء کی منطقی تدریج
اور تاریخی تدریج متوازی نہیں ہو جہاں تک
سیاسی فکر کے نشو و نما کا تعلق ہے اس
کے دو پہلو ہیں اور دونوں ترقی کر رہے
ہیں، ایک ریاست کے وظیفے کے اعتبار
سے چونکہ زندگی ایک وحدت ہے۔
اخلاقی اور معیشت باہم دگر مربوط ہیں۔ ۱
اخلاقی فضائل کا تحفظ اور معاشی عدل
کا قائم کرنا دونوں ریاست کا وظیفہ ہیں۔
اس کے بہت بعد اٹھارویں صدی
میں ہیگل کے نزدیک ریاست کا وظیفہ

صرف اخلاقی ہے یعنی ریاست جان و مال اور آبرو کو بہ جبر محفوظ کر کے لوگوں کو اخلاقی کمال حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچا کرے۔ سیاسی فکر کی نشو و نما کی منطقی تدریج میں یہ "اثبات" کا درجہ ہے اور کارل مارکس کا یہ مؤقف کہ ریاست کا وظیفہ صرف معاشی ہے یعنی یہ کہ تقسیم دولت میں انصاف کرے ——

—— سیاسی فکر کا دوسرا پہلو تنظیم کی وہ صورت ہے جس کے ذریعہ ریاست اپنے مقصد کو حاصل کرتی ہے اس کے اعتبار سے بھی سیاسی فکر کی نشو و نما کی منطقی تدریج کے تین مدارج ہیں، ایک یہ کہ ایک فرد شارع LAW GIVER۔ یا صاحب اقتدار مطلق العنان بادشاہ ہے' یہ اثبات کا درجہ ہے دوسرا یہ کہ اقتدار بادشاہ کا حق نہیں' عوام کا حق ہے' جو وہ ہیئتِ حاکمہ کو تفویض کرتے ہیں' یہ نفی کا درجہ ہے' اور باقی دنیا کا سیاسی فکر ابھی نشو و نما کی اس جدلی تدریج سے تیسرے درجے پر فائز نہیں ہوا۔

اسلام کی رُو سے حاکم و محکوم دونوں بہ اعتبار مظہر نیابتِ الٰہی' انسان ہونے کی حیثیت سے سیاسی اقتدار کے مظہر ہیں، اور یہ تطبیق کا درجہ ہے، اور تنظیم کے تقاضے شوریٰ سے طے پانے چاہئیں' تو یہ جمہوریت کی اصلی رُوح ہے جس پر مسلمانوں کے علاوہ باقی اقوام کے ذہن کو رسائی نہیں ہوتی۔

اندریں صورت اگر جمہوریت کا نعرہ ملوکیتِ مطلق العنانی کے خلاف احتجاج کے طور پر ابھی سیاسی فکر کو اس سے آگے نہیں لے جا سکا، اور عالمی سطح پر ہمارا غلبہ چھن جانے اور فکری قیادت سے محروم ہو جانے کی بنا پر ہم جمہوریت کا نام لینے پر مجبور ہیں تو ہمیں اس تصور کے اپنے معنی پر اصرار کرنا چاہئے۔ ہم اپنی محکومی کے دور میں اسلامی نظامِ اجتماعی کے قابلِ عمل ہونے کی نسبت یقین و اعتماد سے اس لئے محروم ہو گئے کہ ایک ایمپائر کے وسائل ڈیڑھ صدی تک اسلام کو ناقابل عمل ثابت کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔

اب لے دے کے ہمارے سامنے ریاست کے وظیفے اور ریاست کی صورت تنظیم کا سوال پیدا ہوتا ہے تو یا تو ہم "ریاست کا وظیفہ محض اخلاقی ہے" اس پر اصرار کرتے ہیں یا اس پر کہ اس کا وظیفہ محض معاشی عدل ہے۔ اور آئین کے بارے میں اب ہم

لفظ جمہوریت کے علاوہ کسی سیاسی تنظیمی
نظام کا نام لے سکتے. حالانکہ وہ
ریاستیں جو نظام افکار (Ideolo-
gy.) پر مبنی ہوں ان کے لئے آئین نہیں
مقاصد اہم ہیں اور آئین یا طریقِ کار مقاصد
کے تابع ہے.

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ
شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ
وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ

مگر یہ پنج ارکان وہ ستون ہیں
جن پر اسلام کی عمارت قائم ہوئی ہے.
اس کا مفہوم صحیح مسلم کی اس حدیث کو
سامنے رکھ کر سمجھ میں آتا ہے.

لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ
لَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاَمِيْرِ
لَا اَمِيْرَ اِلَّا بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

(کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت
بغیر امیر کے نہیں اور امیر بغیر سمع وطاعت
کے نہیں. اور وہی امیر امیر ہے جو اطیعوا
اللّٰہ واطیعوا الرسول کے اتباع میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتا
ہے. پنج ارکان اسلام کی بدولت مسلمان
وحدت کردار کی بنا پر شعورِ وحدت سے
مشرف ہوتے ہیں اور اس وحدت اجتماعی
کی تنظیم کے لئے امارت درکار ہے. ان
پنج ارکان کی بدولت وہ امتیازی خصائص
برقرار رہتے ہیں جن پر اسلام کا انحصار
ہے. جماعت کا قیام بیک وقت دین
اور سیاست اس لئے ہے کہ یہ جماعت
اس مومنانہ وحدتِ کردار کے حامل
افراد کو قیام ودوام عطا کرتی ہے، یہی
جماعت وظیفۂ دین بھی ہے اور سیاست
بھی، اس کا سیاسی پہلو اس وقت اہم
ہو جاتا ہے جب اسلام دشمنی کا جذبہ
اس جماعت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور
جب اس کا دینی پہلو نمایاں ہوتا ہے.

تو ریاست کے وظیفہ کو ادا کرنے کے
وقت صرف اتنی بات، ریاست کو اسلامی
ریاست اور اس کے طریقِ کار کو اسلامی
آئین بناتی ہے کہ "وحی سے حاصل شدہ علم"

أ. قومی اور بین الاقوامی مسائل کو
حل کرتا ہے

ب. تاریخی ادوار کے تحت بدلے
ہوئے تقاضوں کو پورا کرتا ہے

ج. اخلاقی ومعاشی تقاضوں کو

ہم آہنگ بناتا ہے

د۔ انسانی علم و تجربہ کی تنقید کا معیار مہیا کرتا ہے

ہ۔ صحیح ترین انداز سے اس انسانی دین و کردار کی رہنمائی کرتا ہے جو معاشرے کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم کرتا ہے۔

لہٰذا

یہ اعلان کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل نکات تشکیلِ آئین میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں،

۱۔ ازروئے قرآن معیارِ حق، نفع بخشی (فلاحِ عامہ) ہے۔ نوعِ انسانی کی فلاح اور اس کا انکار ازروئے قرآن باطل ہے یعنی ایسے افراد اور جماعتیں جو طبقاتی امتیازات کے تحت فلاحِ عامہ کی راہ میں مزاحمتیں پیدا کرتی ہیں، انہیں ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا سرمایہ داری کے علمبردار اجتماعی حقوق کی نفی کرتے ہیں اور اشتراکیت کے علمبردار انفرادی آزادی اور انفرادی حقوق کی نفی کرتے ہیں۔ یہ دونوں اپنے اپنے مزعومہ مفادات کی وجہ سے انفرادی اور اجتماعی حقوق کے تصادم کو رفع کرنے سے قاصر ہیں، اسلام ایتائے حقوق کی عالمگیری پر معاشرے کی بنیاد رکھ کر اس تصادم کو رفع کرتا ہے۔

۲۔ اسلامی حکومت شورائی اساس پر چلائی جائے گی مگر عوام کی رائے اور مشورہ حاصل کرنے کے لئے طریقے حالات کے تحت، خلافتِ راشدہ سے ماخوذ ہوں گے۔

۳۔ ہر وہ جمہوری طریقِ کار جس میں سیاسی تناقض کے رفع ہونے کی ضمانت ہو ضرور قابلِ قبول ہوگا اور عوام کو اور مسلم مفکروں اور عالموں کو تنقید کے مواقع مہیا کرنے اور فکر و عمل کو اسلام کے مطابق بنانے کی غرض سے ان طریقوں کا پوری طرح شائع کرنا ضروری ہوگا۔

۴۔ اربابِ حل و عقد کو اندرونی اور بیرونی احوال اور مؤثرات کے تحت پورے اختیارات تفویض کئے جائیں گے تاکہ متوازن معاشی، سیاسی، عمرانی نظام جو انسانی حقوق، اخلاقی فضائل اور افراد کی بہبود اور اجتماعی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور طبقاتی امتیازات اور ناانصافیوں کو جلد ختم کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

۵۔ وحی کا عطا کردہ علم تخریبی اور انقلابی اقدامات کے بجائے آئینی اقتدار کے عمرانی احوال کو بہتر بنانے اور ارتقائی آئینی انداز سے جدوجہد کرنے کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے کسی کو اُس کے عمرانی منصب سے محروم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اگرچہ اراضیات اور کارخانے قومیائے جانے کی حد کو پہنچ جائیں، بشرطیکہ اُنہوں نے تاریخی تقاضوں کی تکمیل اور قومی تعمیر میں اپنا منصب برقرار رکھا ہو۔

۶۔ بین الاقوامیت ابھی تک قومی عصبیت کے رجحانات پر غالب نہیں آسکی اس لئے انسانی ارتقاء کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ثقافتی، لسانی، جغرافیائی، وحدت کو پوری خودمختاری حاصل ہوگی۔ اس آئینی شرط کے ساتھ کہ مرکزی قوتِ دفاع کے خلاف اثر انداز نہ ہو اور تعلیمی غایات کی اور معاشی عمرانی اور سیاسی تنظیمات کی یکسانی کو برقرار رکھ سکے۔

۷۔ قرآن کے ثقافتی نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے زرعی پیداوار کی تقسیم، عدل و استحسان اور مساوات کے انداز میں پُرامن جدوجہد آئینی طور پر جاری رہے گی بشرطیکہ مخالفِ اسلام قوتوں کی اختلال انگیزی، غیر آئینی طریقِ کار اختیار کرنے پر مجبور نہ کر دے۔

۹۔ مسلم قوم کے مختلف گروہوں میں اعلیٰ کردار اور بلند فکر کو نشوونما دینے کے لئے حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ براہِ راست تعلیمی اداروں کے ذریعہ نوجوانوں میں قرآنی مقاصد کی تلقین اور تبلیغ کرے تاکہ ان میں تعلیمی، سیاسی، معاشی، قومی اور بین الاقوامی مسائل کے حل کرنے کی اہلیت پیدا ہو، اور وہ تعمیری جدوجہد کے اقدامات کے لئے اعتماد حاصل کریں اور وحی کے علم کی نسبت دوسرے مذہبی اور غیر مذہبی گروہوں کو بے وجہ خوف و خطر میں مبتلا رہنے سے محفوظ کیا جا سکے۔

۱۰۔ اقلیتوں کو انتخاب کی بنیاد پر مجالسِ قانون ساز میں حقِ نیابت اپنے حقوق کے تحفظ کے ساتھ حاصل رہے گا۔

۱۱۔ دفعہ چھ کے ماتحت مہاجروں کو بھی بحیثیت مہاجر کے اپنی ثقافتی، لسانی حیثیت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک نیا صوبہ مہیا کرنا ہوگا۔

۱۲۔ حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ عوام کی تمام ضروریات تعلیم اور روزگار اور

اقتدار کا سرچشمہ

اللہ رب العلمین، اقتدارِ کلی کا سرچشمہ ہے، اُمت مسلمہ نیابتاً اس اقتدار کی امین ہے، مگر چونکہ اُمت کا ہر فرد اقتدارِ نیابی پر عمل پیرا ہو تو اختیارِ تمیزی کے اختلاف سے طریقِ کار کے اختلاف پیدا ہوں گے اور امتِ واحدہ کی اجتماعی زندگی کا نظام درہم برہم ہوجائیگا اس لئے اُمت اپنے میں سے کسی ایک فرد کو اپنا امیر مقرر کرکے تمام اختیارات اس کو تفویض کر دیتی ہے۔ وہ اولی الامر ہوتا ہے اس کی دو جہت ہوتی ہیں۔ ایک جہت میں وہ خدا کے سامنے جواب دِہ ہوتا ہے جو مقتدرِ اعلیٰ ہے، دوسری جہت میں وہ اُمت کے سامنے جواب دِہ ہوتا ہے جس نے اپنے نیابی اختیار و اقتدار کا اس کو امین بنایا ہے، اس طرح ایک جہت میں وہ نمائندۂ حق ہوتا ہے اور دوسری جہت میں وہ نمائندۂ اُمت ہوتا ہے، اس نمائندگی میں کسی اعتبار سے بھی عجزیت نہیں ہوتی بلکہ مستخلف اور مستخلف میں وحدت و عینیت کی نسبت ہوتی ہے، پس جو مرکزِ خلافِ الٰہیہ ہے، بعینہٖ وہی خلافت امت کا مرکز ہے، اور جو اقتدارِ خلافت ہے وہ بالکلیۃ اقتدار الٰہیہ ہے! اس طور پر امت کی نیابی حکومت، دراصل حکومت الٰہیہ ہوتی ہے۔

یہ حکومت اپنے مزاج کے لحاظ سے عالمی ہوتی ہے، کیونکہ اس کا منبع اللہ رب العلمین ہے اور اس حکومت کا امیر "رحمۃ للعالمین" سے نسبت رکھتا ہے اس لئے اس کی فکر و نظر میں آفاقیت اور ہمہ گیری ہوتی ہے، پس یہ حکومت کسی خطۂ ارضی تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا رجحان ہمیشہ ایک عالمگیر حکومت کی طرف راجع ہوتا ہے خواہ وہ کسی محدود خطۂ ارضی پر بالفعل قائم کیوں نہ ہو

اس حکومت کے رجحانِ آفاقیت کے سامنے، جغرافیائی حدیں، نسلی لونی مُلکی قیدیں تارِ عنکبوت ہو کر رہ جاتی ہیں ساری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمان رشتۂ توحید میں منسلک ہوکر

جسم واحد ہو جاتے ہیں، خواہ وہ مشرق میں
ہوں یا مغرب میں، خواہ وہ گورے ہوں یا
کالے، عربی ہوں یا عجمی، رومی ہوں یا حبشی
سب ایک ہو جاتے ہیں اور حکومت نیابی
ان تمام افرادِ اُمّت کی نمائندہ ہوتی ہے

جب حکومت تمام افراد اُمّت کی
نمائندہ ہوتی ہے تو وہ اشرارِ امت کی بھی
نمائندہ ہے؟ اس دلیل سے کہ آخر اشرار بھی
تو افرادِ امت ہی ہیں اور حکومت تمام افراد
اُمّت کی نمائندہ ہے، اور یہ کہ اُمّت میں
اخیار بھی ہوتے ہیں۔ اشرار بھی ہوتے ہیں۔
پس حکومت اخیار و اشرار سب ہی کی
نمائندہ ہوتی ہے۔

اس سوال کے جواب میں حسب ذیل اُمور
قابلِ توجہ ہیں:-

۱. اُمّتِ مُسلمہ خیرِ امت ہے نوعِ انسانی
کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس
کا شعار ہے، ظاہر ہے کہ وہ افرادِ اُمّت جنہوں
نے اپنے نفوس کو سب سے پہلے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر سے محکوم و مقید نہیں کیا ہے۔
وہ دوسرے نفوس پر امر و نہی کیا کریں گے؟
اور اگر کریں گے تو اس کے معنی کیا یہ نہ ہونگے
اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کا اولیں رُخ اپنے ہی نفس کی طرف ہوگا جب،
اپنا نفس اس امر و نہی کو قبول کرے گا، تو
نفس کی تبع و اطاعت باطنی کا ظہور ان
افعال کی صورت میں ہوگا جو معروف یا خیر
کے مظہر ہوں گے اور منکر یا شر کے مظہر نہ
ہوں گے، یقیناً خیرِ امّت اس قسم کے افراد
پر مشتمل ہوتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جو خود اصلاح یافتہ نہیں ہیں۔
وہ دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتے" اور جو
خود اصلاح یافتہ ہیں وہ ہی مصلح ہو سکتے" ہیں۔
مگر نفسِ آفاقی کی گوناگوں کیفیات میں سے
ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ وہ دراصل فاسد
ہوتا ہے مگر خود کو صالح سمجھتا ہے۔ اس
حالت میں جو مفسدین ہیں وہ مصلحین کی حیثیت
سے خود کو متعارف کرتے ہیں اور جب ان
سے یہ کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ!
تو وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم تو مفسد نہیں ہیں،
مصلح ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
الْمُفْسِدُوْنَ (الآیۃ)

"حالانکہ وہ مصلحین نہیں ہیں بلکہ

مفسد بن ہیں، مگر انہیں یہ شعور نہیں ہے کہ
ہم جس کو اصلاح سمجھتے ہیں وہ دراصل افساد ہے"
یہی وہ حقیقت ہے جس کو اس طرح واضح
کیا گیا ہے ع

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم در جہاں !

پس وہ نفوس جو تزکیہ سے محروم ہیں
(وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا) کا مصداق ہیں خذلان
وخسران ان کا نصیب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں
جن کی باطنی زبوں حالی اور ظاہری بد اطواری
اور شر پسندی پر خود ان کا نفس گواہ ہے، خود
ان کے علم میں ان کا مقام معین ہے، مسلم
معاشرہ ان کو اپنی صف میں مساوی مقام عطا
کرتا ہے مگر وہ اس مقام سے تنزل کرتے ہیں
اس مرتبۂ عالی سے خود بخود گر جاتے ہیں ۔
طبیعت کی پستی اور نفس کی خباثت ہی اس
تنزل اور گراوٹ کا موجب ہوتی ہے اُس
سے رذائلِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں ۔

حکومت کا مطمحِ نظر فضائل اخلاق پر
جو رذائلِ اخلاق کے سدباب پر منحصر ہے اور
حکومت کی طرح عوام کا بھی مطمحِ نظر یہی
ہے ، اس لئے مطمحِ نظر تو دونوں کا متفق علیہ
ہے۔ اب اس کی خلاف ورزی افرادِ امت
کریں تو حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ہی حاکم ہیں
اور خود ہی محکوم ہیں، اس لئے فضائل کے احکام
مثلاً یہ کہ وہ مظہرِ خیر ہیں "خیر پسند" ہیں،
خیر خواہِ امت ہیں ، اعمالِ حسنہ ان سے سرزد
ہوتے ہیں، اس لئے ان کو نیکوکاری کی جزاء
دین و دنیا میں ملے گی ۔

اس کے برعکس خیر کی ضد شر ہے جو رذائلِ
اخلاق کا منبع ہے ۔ پس رذائلِ اخلاق کے
احکام مثلاً یہ ہیں کہ وہ شر ہیں ، اور ان
کے حامل نفوس مظہرِ شر ہیں ، شر پسند ہیں، اشرارِ
امت ہیں، برے اعمال ان سے سرزد ہوتے
ہیں۔ ان کی سزا ان کو دین و دنیا میں ملے گی۔

یہ دونوں احکامِ خیر و شر کس نے
لگائے ؟ ظاہر ہے کہ امت نے ہی یہ احکام
لگائے کہ اس کے نزدیک یہ خیر ہے اور یہ
شر ہے پھر یہ احکام جاری کس پر ہوتے ہیں؟
امت پر ہی جاری ہوتے ہیں ۔ جاری کون
کرتا ہے؟ وہ فرد یا افراد جن کو امت اپنے
اختیارات تفویض کرتی ہے اور تفویضِ
اختیارات کے بعد جو اربابِ حکومت ہوتے ہیں
وہی ان احکام کو جاری کرتے ہیں ۔ پس
افرادِ امت اسی حکم سے محکوم ہیں جو انہوں
نے اپنے نفسوں پر خود لگایا یا بہ حکومت

بعینہ اسی حکم اعادہ کرتی ہے جو انہوں نے
اپنے نفسوں پر لگایا تھا، خود کوئی حکم نہیں
دیتی خواہ وہ حکم دینے والی معلوم ہوتی ہو،
مگر وہ حقیقت میں حکم قبول کرنے والی ہو
یعنی حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے، کیونکہ یہ حکم
افرادِ امت نے اپنی زبانِ عمل سے حکومت
کو دیا ہے کہ وہ ان کے مُسلمہ قانون کے
مطابق ان پر حکم جاری کرے۔ پس حکومت
کا اجرائے حکم بعینہ ایسا ہے جیسا کہ امت
نے اجرائے احکام کیا۔

اس لئے افرادِ اُمت ایک اعتبار سے
خود حاکم ہیں اور دوسرے اعتبار سے خود ہی
محکوم ہیں، اسی طرح اربابِ حکومت میں
سے ہر ایک فرد کی بھی حیثیت ہے کہ وہ
ایک اعتبار سے حاکم ہے اور دوسرے اعتبار
سے محکوم ہے۔

پس جس کسی نے اپنے آپ کو مظہرِ خیر
بنایا تو خیر کے لئے وہ اپنے نفس پر شاہدِ
عادل ہے چونکہ تمام افعال کا سرچشمہ نفسِ
انسانی ہے، اس لئے اس نیک نفس فرد
سے "اعمالِ خیر" بے تکلف صادر ہوں گے۔
اور ان پر خود وہ خیر کا حکم لگائے گا۔ وہ صحیح
ہوگا اور دوسرے نفوس بھی جو اس پر خیر کا
حکم لگائیں گے۔ وہ حکم وہی ہوگا جو اس نے
لگایا تھا اور حکومت بھی جو حکم اس پر
عائد کرے گی وہ حکم وہی ہوگا جو اس نے
اپنے نفس پر لگایا تھا، اور جس سے خیر کا
صدور ہوا تھا۔

اسی طرح جس کسی نے خود کو مظہر
شر بنایا تو شر کے لئے وہ خود اپنے نفس پر
شاہدِ عادل ہے۔ اور چونکہ تمام افعال کا
سرچشمہ "نفسِ انسانی" ہے اس لئے شریر النفس فرد
سے شر انگیز اعمال بے تکلف صادر ہوں گے
ان پر وہ خود شر کا حکم لگائے گا وہ مطابقِ
واقعہ ہوگا ۰۰۰!

دوسرے افراد کے حکم میں اور
حکومت کے حکم میں اسی حکم کا اعادہ ہے
جو اس نے اپنے نفس پر عائد کیا تھا۔

اب اگر اس کی سزا دی جاتی ہے
تو سزا دینے میں حکومت، حاکم نہیں ہے،
بلکہ محکوم ہے اس حکم کی جو زبانِ فعل سے
اس فردِ اُمت نے حکومت کو دیا ہے کہ
اس نے یہ فعل جو کیا ہے وہ جرم ہے اور وہ
جرم مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی پاداش میں
اس کو سزا دی جائے پس وہی مجرم ہے، وہی
جرم کی سزا دینے والا ہے۔

یہ جو ہم نے کہا تھا کہ حکومت افراد کی
نمائندہ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے
کہ حکومت کی نظر میں تمام افرادِ امت
اچھے ہیں۔ تاوقتیکہ وہ اس نظریے کے
خلاف خود کو اپنے طرزِ عمل سے برے
ثابت نہ کریں۔

پس خیر ایک ایجابی نقطۂ نظر ہے جس
پر ریاست کی تشکیل ہوتی ہے، اس کے
برعکس شر وہ سلبی نقطۂ نظر ہے جو خیر کی ضد
ہے، وہ تخریب ریاست کے ہم معنیٰ ہے۔
اس لیے وہ تمام امور جو شر پر مبنی ہیں وہ سلبی ہیں

ریاست ایک ایجابی ادارہ ہے اس
لیے سلبی نہیں ہے، امت ایک ایجابی ادارہ
ہے، سلبی نہیں ہے، اس لیے وہ افراد جو
ایجابی نہیں ہیں بلکہ سلبی نظریہ اور سلبی طرزِ عمل
رکھتے ہیں، ریاست ان کی نمائندہ نہیں
ہے، نہ وہ ریاست کے نمائندہ ہیں۔

عقیدۂ توحید محض موضوعی چیز نہیں ہے
بلکہ وہ ایک جیتی جاگتی معروضی حقیقت ہے
وہ افراد جو توحید میں یقین رکھتے ہیں، متعدد
نہیں بلکہ نفسِ واحد کی طرح باہم ایک ہوتے
ہیں، ان کے مابین کثرت و تعدد محض اعتباری
ہوتا ہے اور ان کے درمیان وحدت
عینیت کی نسبت حقیقی ہوتی ہے، خواہ یہ
افراد کتنی بڑی جماعت پر مشتمل کیوں نہ ہوں۔
اس جماعت کی ہیئت کذائیہ ایک ایسی
وحدت ہوتی ہے جو عقیدۂ توحید کا عینی
معروض ہوتی ہے۔ وحدتِ الٰہی کا جو عقیدہ
ذہن میں موضوعی حیثیت سے تھا وہ اب
خارج میں معروضی حیثیت سے کارفرما
ہو جاتا ہے، یہی وہ راز ہے جس کو واعتصموا
بحبل اللہ جمیعاً فرما کر آشکار کیا گیا ہے
علمائے دین نے اس حکم سے یہی مطلب اخذ
کیا ہے کہ مسلمان تمام جماعت کے ساتھ رہیں، ان
کو متفرق رہنے سے منع کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا جو شخص
جماعت سے الگ ہو گیا وہ جاہلیت
کی موت مرا۔

یہ عقیدۂ توحید کی وہ موضوعی جہت ہے
جو دین و مذہب کو چند بے جان رسموں کا
ڈھانچہ بنا دیتی ہے جس کو محض وفاداری
کے خیال سے اہلِ رسم اٹھائے پھرتے
ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس میں
جان نہیں ہے، روح پرواز کر چکی ہے
یہ دین کا خالی خول ہے اور مذہب کا
بے روح قالب ہے،

اس طرح وہ دین و مذہب جو زندہ و پائندہ حقیقت ہے، اور جو سرچشمہ حیات ہے اور اپنے ہر متبع کو حیاتِ جاودانی عطا کرتا ہے، اہلِ رسم کے ہاتھوں محض رسومات کا گورکھ دھندا ہو گیا، حالانکہ ہر رسم کو مبنی بہ حقیقت ہونا تھا نہ کہ نری رسم بے حقیقت جس سے حقیقت کا انکار، حقائق کا ابطال لازم آتا ہے، خواہ زبان پر اقرارِ توحید رسماً کیوں نہ ہو، اس کے لازمی نتائج یہ ہیں۔

۱۔ فساد فی الارض

۲۔ نوعِ انسانی میں توحیدِ الٰہی کے فقدان سے باہمی وحدت کا فقدان۔

۳۔ مقصدِ زندگی جو خدا نے بتایا ہے وہ غیر مقصود ہو جانے سے ہر فرد کا مقصدِ زندگی اپنی خواہشِ نفس میں محدود ہو جانا۔

۴۔ دوسرے نفوس کو ان کی خواہشوں کی تکمیل کا موقعہ نہ دینا، بلکہ اپنی خواہشوں کی تکمیل میں دوسرے نفوس کی آرزدگی کو روا رکھنا۔

۵۔ ہر فرد کا اپنے نفس کو مرکزِ طلب و یافت بنا لینا، اس سے طلب و یافت کے "سامان و اسباب"، کا سامان و اسبابِ جنگ میں بدل جانا، باہمی نزاع و پیکار، جنگ و جدال، اس لامرکزیت کا لازمی مزاج ہے۔

۶۔ تمدن اور معاشرت کے تقاضے ختم ہو کر، خود غرضی، خود کامی، نفس پروری کا معاشرے میں عام ہو جانا۔

۷۔ اخلاقِ فاضلہ کی جگہ رذائلِ اخلاق کا رواج پذیر ہونا۔

۸۔ قومی اور اجتماعی مفاد کی جگہ ذاتی اور انفرادی مفاد کا سکہ جاری ہونا۔

۹۔ روحانی اور اخلاقی زندگی پر موت طاری ہو جانا، حیاتِ مادی اور مفادِ مادی کا عقیدہ راسخ ہو جانا۔

۱۰۔ تعاون اور تعامل کی روح فنا ہو کر، شخصی اغراض کی ترویج

۱۱۔ وہ قوم جو اس قسم کے افراد پر مشتمل ہو جو انفرادی، مقاصد کے ساتھ وفادار ہوں اور اجتماعی مقاصد کے ساتھ غدار ہوں، مُردہ لاشوں سے مشابہ ہے جس میں حیاتِ طیبہ کی خوشبو کی جگہ نجاست شقاق و نفاق کی عفونیت سرایت کر

جاتی ہے۔ من حیث القوم زندہ رہنے کی صلاحیتیں اس میں مفقود ہو جاتی ہیں —— جہد للبقا میں اس کا قومی جسد مفلوج ہو جاتا ہے اور معرکۂ حیات میں اس کے مفتوح و مغلوب ہونے کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ یہ پیشین گوئی دراصل یہی قوم اپنی زبانِ حال سے کرتی ہے اور مبنی بر حق ہونے کی وجہ سے کبھی غلط نہیں ہوتی۔

اسلامی ریاست کا باشندگان ریاست سے تعلق

وہ نسبت جو اصل سے فروع کو ہوتی ہے، یا وہ ربط جو اجزاء کو اپنے کُل سے ہوتا ہے، وہی تعلق افرادِ ریاست کو ریاست سے ہے۔ یہ تعلق وحدت و عینیت کا تعلق ہے جس میں کسی قسم کی کوئی غیریت نہیں ہو محال ہے کہ افراد ریاست کا غیر ہوں، یا ریاست افراد کی غیر ہو — کیونکہ بصورتِ غیریت ریاست و افراد میں تصادم و پیکار واقع ہو کر ریاست کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے تو عوام انتشار یا طوائف الملوکی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر ریاست کا وجود تصادم و پیکار میں باقی رہ جاتا ہے تو پھر افرادِ ریاست کا وجود کالعدم رہ جاتا ہے، اور ریاست آمریت واستبدادیت میں بدل جاتی ہے یہ دونوں صورتیں جو جو غیریت سے پیدا ہوتی ہیں، ریاست اور افرادِ ریاست کے حق میں ہلاکت وتباہی کا سبب ہیں۔

برخلاف اس کے اسلامی ریاست کی بنیاد نظریہ عینیت پر ہے اس لحاظ سے ریاست تمام افرادِ ملک کی نمائندہ ہوتی ہے اور ہر فرد اس کو اپنی حکومت سمجھتا ہے اس طرح اسلامی ریاست میں آباد کروڑوں افراد کی کثرت اپنی ریاست کی وحدت کا عین ہوتی ہے ان کا وجود ریاست کے وجود پر منحصر ہوتا ہے، ان کی حفاظت ریاست کی حفاظت پر منحصر ہوتی ہے، جب ریاست خارجی یا داخلی عوامل سے تباہ و برباد ہوتی ہے تو باشندگان ریاست بھی تباہی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور جب ریاست طاقتور، مقتدر اور اعلیٰ اقتدار کی مالک ہوتی ہے تو افرادِ ریاست میں اقتدار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ مقتدر و طاقتور ہوتے ہیں۔

اسلامی ریاست اپنے اطلاقی مفہوم کے

لحاظ سے اگرچہ کسی محدود خطۂ ارضی پر منحصر نہیں ہے بلکہ تمام عالم اس کی معنوی وسعت میں شامل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ عالم کو اپنی حدود میں جذب کر لینے کی استعداد رکھتی ہے۔ ایک ہمہ گیر ریاست ہے، پھر بھی وہ جس خطۂ ارضی پر بھی قائم ہوتی ہے اس کے بنیادی اصول تمام روئے زمین کے لئے اسی طرح اساس حکومت ہوتے ہیں جس طرح وہ کسی خاص خطہ میں ہوتے ہیں۔

حکومتِ الٰہیّہ

ربوبیتِ مطلقہ ظاہر ہوتی ہے تو رحمتِ مطلقہ بن جاتی ہے۔ پس اللہ رب العلمین اور رحمۃ للعلمین ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ وہ رخ جو غیب کیطرف ہے اللہ ربّ العلمین کی ذات سے متعلق ہے۔ اور وہ رُخ جو ظہور کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اللہ تعالیٰ کی طرف جامع ہے

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی صفاتِ کمال کے مظہر جامع ہیں، اس لئے آپ کو خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، تمام عالم کے لئے خدا کا ارسال رحمت فرمانا ہے۔

حکومت اسلامی، اسی عقیدۂ توحید کی تشریح ہے جس کی حقیقت ربوبیت ہے اور جس کی صورت رحمت ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کا ہر فرد اس حقیقت و صورت و اسکے تقاضوں کو بحیثیت خلیفہ پورے کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

یہ عقیدہ کہ اُمّت اور افراد اُمّت اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اُمّت کو مرکزِ وحدت پر مجتمع کر دیتا ہے۔ وہ نفس واحد ہو کر مقصد وحید کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ وہ مقصدِ وحید اللہ کی نیابتی حکومت کا قیام ہوتا ہے اور یہ نیابتی حکومت ربوبیت اور رحمت کے محور پر گردش کرتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کے ہر فرد کو ہر قسم کے خوف وہراس اور غم و اندوہ سے محفوظ رکھے۔

ہیئت اجتماعیہ

عقیدۂ توحید، وحدتِ اُمّت کو مستلزم ہے

- وحدتِ اُمّت سے ہیئتِ اجتماعیہ کا ظہور ہوتا ہے
- اُمّت کے افراد میں باہم غیریّت نہیں، بلکہ عینیت ہے
- جس طرح خودکشی ممنوع ہے افتراق و انتشار بھی ممنوع ہے

اسلام کے بنیادی اصول

بُنِیَ الاسلام علیٰ خمسٍ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و انّ محمد رسول اللہ و اقام الصّلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان ط (متفق علیہ)

(پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد استوار ہے:- (۱) کلمہ شہادت توحید و رسالت (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج (۵) روزہ)

التوحید

اگر مسلمان توحید میں ناقص ہے تو اس کے تمام اعمالِ صالحہ (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) ناقص ہیں اور اس لئے وہ ناقابلِ قبول ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ توحید کو اول المحکمات الخمسہ اور اصل الایمان کہا گیا ہے اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ توحید کو سمجھے سمجھائے اور اس پر عمل پیرا ہو۔ ملتِ اسلامیہ میں جو انتشار اور انحطاط نظر آرہا ہے اس کے ظاہری اسباب خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوں، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس انتشار اور انحطاط کی علّتِ غائی باہمی تفرقہ ہے۔ جو توحید کی ضد ہے۔ مسلمان عموماً توحید کی بجائے تفرقہ کے دلدادہ ہیں۔

مسلمانوں میں تمدن و معاشرت کے اعتبار سے شیخ، سید، مغل، پٹھان، یعنی ذات پات کی تفریق ہے۔ عقائد کے اعتبار سے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کی تفریق ہے۔ کہیں شیعہ سنی کی تفریق ہے۔ مقلد، غیر مقلد کی تفریق ہے۔ وہابی، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث کی تفریق ہے۔ تصوف اور طریقت جو ان تفاریق کو مٹانے کی آخری امید گاہ ہے، وہاں خود قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، مجددی، ابوالعلائی، وجودی و شہودی کی تفریق ہے۔

قومیت اور وطنیت کے اعتبار سے سندھی، غیر سندھی، پنجابی، غیر پنجابی، بنگالی، غیر بنگالی، سرحدی کی تفریق ہے۔ اس طرح اس تفریق کے ماتحت زندگی کے ہر شعبے میں فرقے بنے ہوئے ہیں اور ان فرقوں میں ہر فرقہ اپنے اندر اور کئی فرقے رکھتا ہے۔ مثلاً فرقہ شیعہ میں شیعہ تفضیلی، شیعہ اثنا عشری، شیعہ غالی وغیرہ جس قوم میں یہ تفریق بدرجہ کمال موجود ہو، وہ قوم کس طرح ایک ہو سکتی ہے۔ وہ قوم کس طرح ایک مرکز پر جمع ہو سکتی ہے وہ قوم کس طرح کسی ایک مطمح نظر پر متحد ہو سکتی ہے۔

تحسبھم جمیعاً وقلوبھم شتیٰ ط (القرآن)

(تم گنتی کے اعتبار سے ان کو جماعت کہہ لیجئے۔ حالانکہ ان کے قلوب متفرق ہیں" (یعنی حقیقتاً وہ جماعت نہیں)

یہی وہ تفریق ہے جس کو مٹانے کیلئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہی وہ تفریق ہے جو کفر و شرک پر منتج ہوتی ہے۔

ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ تفریق کے بیان سے توحید خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ مزید وضاحت کی جائے۔

شیوع اسلام سے قبل یہ تفریق، رنگ و نسل، ذات پات، عقائد و رجحانات کی حدود سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک خدا کا تصور بھی لوگوں کے دلوں سے محو ہو چلا تھا۔ موالید ثلاثہ، جمادات، نباتات، حیوانات میں سے ہر قسم کے ہزارہا خدا بنالئے گئے تھے۔ اسی پر اکتفا نہ تھا۔ چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی، موجودات ممکنہ کی تمام صورتوں کو خدا کا درجہ دینے کے بعد موہومات کی پرستش شروع ہوئی تو دیو، بھوت، فرشتے، جنات، پریاں، دیویاں پوجے گئے۔

اسلام نے خداؤں کی اس کثرت کو مٹاکر لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے خدائے

واحد کا تصور پیش کیا، جو بداہتہً کفار و مشرکین کے لئے حیرت و استعجاب کا باعث ہوا۔ انہوں نے کہا

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ

(کیا محمدؐ نے بہت سارے خداؤں کو خدائے واحد بنا دیا۔ یہ چیز تو بڑی عجیب ہے)

کفار چونکہ اہلِ زبان تھے اس لئے انہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کے اس مفاد کو سمجھ لیا کہ وہ الٰہ کی کثرت میں وحدت قائم کرتا ہے، مگر ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ کثرت، عینِ وحدت کس طرح ہو سکتی ہے اس لئے استکبار و استعجاب لاحق ہوا۔

اسلام نے اپنے اس نظریے کی تائید میں ہزاروں دلائل اور براہین پیش کئے، جو انسانی غور و فکر کے لئے دعوتِ عام کا حکم رکھتے ہیں۔ انسانی دل و دماغ، فکر و تدبر کی روشنی میں، کثرت کی الجھنوں سے نجات پا کر، ایک خدائے برتر قادر علی الاطلاق کے تصور میں محو ہو گیا اور اس طرح ذہن و فکر کی آوارگی سے نجات ملی۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

(بہت سے متفرق خدا اچھے ہیں یا ایک خدائے غالب؟)

موجوداتِ ممکنہ کی وہ تمام اقسام جو خدا کا درجہ رکھتی تھیں، وہ خدائے واحد میں فنا ہو گئیں اور اس طرح عامۃ الناس کی وہ اعتقادی توجہات، جو تشتت و انتشار کے عالم میں رواں دواں حیران و سرگرداں تھیں قبلۂ واحد کی طرف مرکوز ہو گئیں ——— وہ اسلام جس نے اعتقادی طور پر عامۃ الناس کو گوناگوں اور مختلف جہات سے منقطع کر کے یکجہتی اور توحید کی طرف متوجہ کیا وہ اس امر کی کس طرح اجازت دے سکتا تھا کہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اس کے متبع تفریق کی طرف مائل ہوں۔ چنانچہ تعلیماً فرمایا گیا کہ ہم یہ کہیں اور اعتقاد کریں:۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الخ۔

توحیدِ الٰہی کے بعد رسولوں کی کثرت کو مٹایا گیا، اس طور پر کہ ان میں تفریق نہ کی جائے۔

(لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ) ——— اس کے بعد رسولوں پر نازل

شدہ آسمانی کتابوں کی کثرت کو بھی وحدت کی صورت میں منوایا گیا۔ (یؤمِنُونَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ط) متفرق خداؤں، متفرق رسولوں، متفرق آسمانی کتابوں کی کثرت میں ایک خدا ایک رسول ایک کتاب کے ذریعے جو وحدت قائم کی اس وحدت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپس میں خود بھی متفرق نہ ہوں، متحد ہوں، ایک ہوں ______ اگر وہ آپس میں متحد، متفق اور ایک ہیں تو صاحب ایمان اور اہلِ توحید ہیں۔ نہیں تو نہیں۔ کیونکہ جو لوگ اتحاد میں ناقص ہیں، وہ توحید میں بھی ناقص ہیں۔ اس لئے کہا جائے گا کہ باہمی اتحاد، اہلِ توحید کی شان ہے اور باہمی افتراق، اہلِ تفریق کی نشانی ہے۔

اسلام نے خداؤں میں تفریق پسند نہ کی۔ رسولوں میں تفریق پسند نہ کی۔ آسمانی کتابوں میں تفریق پسند نہ کی، پھر وہ تمام بنی نوع انسان میں تفریق کس طرح پسند کرتا چنانچہ تمام بنی نوعِ انسان میں وحدتِ اصلی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا گیا:۔

- كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا
- یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط فَمِنْکُمْ مُؤْمِنٌ وَّمِنْکُمْ کَافِرٌ ط اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا ط

نوعِ انسانی کے دونوں گروہوں کے افراد جو خدا پر ایمان رکھنے کے اعتبار سے مومن کہلاتے ہیں اور خدا پر ایمان نہ لانے کے لحاظ سے کافر کہلاتے ہیں، ظاہر میں اگرچہ ایک دوسرے سے الگ الگ ممتاز ہیں، مگر من حیث نوع، حقیقتاً یہ متحد الاصل اور ان کا منشاء و مصدر واحد ہے۔

مومن و کافر کی اعتقادی تفریق وحدتِ انسانی کے منافی نہیں، مگر وحدتِ انسانی کے نظام کا دارومدار اسی وحدت کی پوری رعایت اور کمالِ نگہداشت پر منحصر ہے۔ اور اس کی توقع صرف اہلِ توحید ہی سے کی جا سکتی ہے، اہلِ تفریق سے نہیں۔ کیونکہ وہ تفرقہ میں گرفتار ہیں۔ اس لئے ان کی نظر محدود ہوگی۔ دوسرے فرقوں کے ساتھ وہ دوسرا سلوک کریں گے۔ تنگدلی، تنگ خیالی کا شکار ہو کر دنیا کو تنگ کریں گے۔ پھر دوسرے فرقوں میں سے ہر فرقہ اغراض و مقاصد، امیال و عواطف کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور مختلف اغراض و مقاصد کی بنا پر

وہ ایک دوسرے سے متصادم ہوں گے، لڑینگے جھگڑینگے۔ آپس میں کٹیں گے، مرینگے دنیا جنگاہ بن جائیگی اور وحدتِ نوعی کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا

اسلام اسی وحدتِ نوعی کا آخری نظام ہے۔ جس میں اسود و احمر، رومی و شامی، عربی و عجمی، چینی و افریقی ترکی و حبشی، ہندی و سندھی کے امتیازاتِ رنگ و نسل کے لئے کوئی جگہ نہیں، اسلام بنی نوع انسان کو ایک ہمہ گیر اخوت و مساوات اور عالمگیر برادری کا پیام دیتا ہے اور تمدن و معاشرت، عبادات و معاملات، غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں سب کو صف بصف، شانہ بشانہ، دوش بدوش مساویانہ مقام عطا کرتا ہے۔

اسلام کے خدائی مذہب ہونے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خدا کی نظر میں تمام بندگانِ خدا یکساں ہیں۔ اسی طرح خدا پر ایمان لانے والوں کے ایمان کی صحت پر سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ وہ دوسرے بندگانِ خدا کو اپنے ایسا سمجھیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی برابری کو ملحوظ رکھیں۔

——اور اپنے اقوال و افعال سے مساواتِ حقوق اور مواساتِ حقیقی ثابت کریں — اگر وہ اس معیار پر پورے نہ اتریں تو ان کا ایمان محلِ نظر ہے۔ وہ ہرگز اہلِ توحید نہیں ہو سکتے جو تفرقہ پرداز، خود غرض اور اہلِ تفریق ہیں اور جو اللہ کے بندوں کو گروہوں اور پارٹیوں اور ٹولیوں اور جتھوں میں تقسیم کر کے آپس میں جھگڑے فساد اور کشت و خون جاری رکھنا چاہتے ہیں اسکے خلاف، توحید تمام دنیا کے تمام انسانوں کو ایک مشترکہ خاندان اور ایک متحد کنبہ کی طرح امن اور سکون سے رہنے کی ذمہ دار اور علمبردار ہے۔

جو لوگ توحید کے زیرِ علَم ہیں اور جو توحید پر ایمان کامل رکھتے ہیں، وہ تفریق کو خدا کی طرف سے ممنوع اور حرام یقین کرتے ہیں، ان کو خدا کی طرف سے ایسے احکام ملے ہیں جن کی بنا پر وہ باہمی تفریق کو کسی نقطے پر بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ وحدتِ انسانی کے نظامِ عامہ سے کچھ اقوام یا افراد، خواہ مخواہ رُوگرداں ہوں، قرآن کی زبان میں ان اقوام و افراد کو کافرین اور مشرکین و منافقین و مفسدین کے ناموں سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح فطرتی طور پر اہلِ توحید

کے مقابل اہل تفریق کا محاذ قائم ہوگیا، اہل توحید کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ اہل تفریق کو اپنے حسن عمل حسنِ کردار، حسن معاملت سے اپنا گرویدہ بنا کر اُن کی انفرادیت کو اپنے نظام اجتماعی میں جذب کر لیں۔ مگر ہوا یہ کہ خود اہلِ توحید نہ جانے کتنے فرقوں میں متفرق ہو کر منتشر اور تتر بتر ہو گئے۔ ایک دوسرے کے درپئے تخریب ایک دوسرے کے درپئے تکفیر، ایک دوسرے کے درپئے توہین و تذلیل ہونا، فریضہ مذہبی اور منصب دینی سمجھا جانے لگا۔ —— حالانکہ تفریق کو حکماً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران۔ رکوع ۲) یعنی

یعنی، تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور متفرق نہ ہو۔

وہ "رسّی" یہی توحید تو ہے جس سے اسلام کا "نظام اجتماعی" وابستہ ہے۔ اگر افراد اس سلکِ حبل اللہ میں منسلک ہو جائیں تو ایک ایسی جماعت بن جائیں جس کو اللہ کی جماعت کہا جائے اور اس جماعت پر حزب اللّٰہ ھم الغالبون کا اطلاق صادق آئے۔

تنظیم امت سے متعلق کتاب و سنّت کی محکمات

ملت ابراہیمی —— امت مسلمہ

۱۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا:۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ط رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْہُمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْہِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (البقرہ)۔ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰہِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ، اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَوَصّٰی بِہَآ اِبْرٰہٖمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ ط یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تا صبغۃ اللہ الخ (بقرہ ۱۶)

باہمی اختلاف جدال وقتال کا سبب ہے۔

۲۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنِ اخْتَلَفُوا (تلک الرسل ۱)

اللہ کا پسندیدہ دین قیام جماعت کا داعی ہے باہمی عداوت وبغاوت جماعت سے انحراف کا سبب ہے۔

۳۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ (آل عمران)

حضرت عیسٰے کے متبعین مسلم تھے وہ ہمیشہ یہود پر غالب رہے

۴۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ، قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ، اٰمَنَّا بِاللّٰہِ، وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

تمام انبیا مسلمان تھے، یہود ونصاریٰ نہیں تھے

۵۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ (البقرہ ۶)

مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (آل عمران ۱۹)

خدا ورسول کی اطاعت سے انحراف کفر ہے۔

۶۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران رکوع ۴)

اہل کتاب سے معاہدہ یا سمجھوتہ برنبائے توحید

۷۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ

بہٖ شیئًا وّلا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون ط (آل عمران ۱۵)

۸۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ط

۱۰۔ خیر امت :۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (لن تنالوا ۔ ۳)

تمام رسولوں کی امت واحد ہے۔

۱۱۔ یاایھا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحًا انی بما تعملون علیم وان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرھم بینھم زبرًا کل حزب بما لدیھم فرحون فذرھم فی غمرتھم حتی حین (المومنون ۴)

ہر مسلمان خدا کی فوج کا ایک سپاہی ہے۔ جو خدا کی راہ صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہوا باطل کے مقابلہ میں ہمہ وقت نبرد آزما ہونے کا عہد کر چکا ہے جس فوج میں باہمی اختلاف اور جھگڑے ہوں وہ کبھی کسی معرکے میں فتح مند نہیں ہو سکتی خدا تعالٰے نے صاف الفاظ میں مسلمانوں کو حکم سنا دیا ہے اور ماضی کا قاعدہ مستمرہ اور مستقبل کا ضابطۂ معینہ ظاہر فرمایا ہے واطیعوا اللہ ولا تنازعوا اور حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پھر نامراد ہو جاؤ گے۔ فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصٰبرین (الانفال ۔ رکوع ۲) (ترجمہ :۔ اور تمہاری ہوا بگڑ جائیگی اور ٹھہرے رہو اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے)

اگر بمقتضائے بشریت کسی امر میں تنازعہ یا اختلاف ہو تو صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے۔ فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلا (النساء ۵) کسی حالت میں رائے کا اختلاف، متفقہ و متحدہ نصب العین کے اختلاف پر منتہی نہ ہو ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (النساء رکوع ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔ ان اللہ یرضٰی لکم ثلاثًا ویسخط ثلاثًا یرضٰی لکم ان تعبدوا وحدہٗ ولا تشرکوا بہٖ شیئًا وان تعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا وان تناصحوا من ولاہ

اللہ امر کم (یعنی' اللہ تعالیٰ تم میں سے تین شخصوں سے خوش اور تین سے ناخوش ہوگا راضی ان سے ہوگا جو صرف ایک اسی کی عبادت کرتے اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور ان سے راضی ہوگا جو اس کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور آپس میں متفرق و منتشر نہیں ہوتے اور اپنے اولو الامر کو نصیحت کرتے ہیں)

قرآن کریم میں اسی جادۂ توحید کو صراطِ مستقیم صراط الذین انعمت علیھم' ان ھذا صراطی مستقیماً' صراط اللہ العزیز الحمید فرمایا گیا ہے اور اسی کو سبیل المومنین بتایا گیا۔ اس راہ کے اختیار کرنے میں نفاق شقاق اور افتراق کو کفر و طغیان' ادبار و خذلان قرار دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین الخ (النساء۔ رکوع ۱۳)

اصل دین واحد ہے

انہ اجمع الانبیاء علیہ السلام علی توحید اللہ تعالیٰ عبادت و استعانت وتنزیہہ عما یلیق بجنابہ وتحریم الالحاد فی اسمائہ وان حق اللہ علی عبادہ ان یعظمہ تعظیماً لا یشوبہ تفریط وان یسلموا وجوھھم وقلوبھم الیہ وان یتقربوا بشعائر اللہ الی اللہ وانہ قدر جمیع الحوادث قبل ان یخلقھا وان للہ ملئکۃ لا یعصون فیما امر ویفعلون ما یومرون وانہ ینزل الکتب علی من یشاء من عبادہ ویفرض طاعتہ علی الناس وان القیامۃ حق والبعث بعد الموت والجنۃ حق والنار حق وکذالک اجمعوا علی انواع البر من الطہارۃ والصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم

والحج والتقرب الی اللہ بنوافل الطاعات من الدعاء والذکر وتلاوت الکتاب المنزل من اللہ وکذالک اجمعوا علی النکاح وتحریم السفاح واقامۃ العدل بین الناس وتحریم المظالم واقامۃ الحدود علی اھل المعاصی والجہاد مع اعداء اللہ والاجتہاد فی اشاعۃ امر اللہ ودینہ' فھذا اصل الدین وکذالک لم یبحث القرآن العظیم عن لمیۃ ھذا الاشیاء الا ماشاء اللہ فانھا کانت مسلمۃ فیمن نزل القرآن علی السنتھم وانما الاختلاف فی صور ھذہ الامور واشباحھا فکان فی شریعۃ موسیٰ علیہ السلام الاستقبال فی الصلوٰۃ الی بیت المقدس وفی شریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الی الکعبۃ وکان فی شرائع موسیٰ الرجم

فقط وجاءت شریعتنا بالرجم للمحصن — الطاعات وآدابها واركانها وبالجملة
والجلد لغیره وكان فی شریعت موسیٰ القصاص — فالأوضاع الخاصة التی مهدت وبنیت
فقط وجاءت شریعتنا بالقصاص والدیة — بها انواع البر والارتفاقات هی الشرعة
جمیعا وعلیٰ ذالك اختلافهم فی اوقات — والمنهاج :

(حجة اللّٰه البالغة صفحہ ٨٦-٨٧)

نوله ماتولی ونصلیه جهنم وساءت مصیرا (ترجمہ :- جو کوئی مخالفت کرے (شقاق)
رسول سے جب کہ ہدایت اس پر واضح ہوچکی اور مسلمانوں کی راہ کے سوائے کوئی راہ اختیار کرے ہم اس کو اسی طرف
پھیر دینگے جس طرف کو وہ مڑتا ہے (توجہ کرتا ہے۔ تاکہ) اس کو جہنم داخل کریں (جو) بہت بری جگہ ہے۔

وما اختلفتم فی شیٍٔ فحکمهٗ الی اللّٰه (شوریٰ ٢) اور جس بات میں تم لوگوں میں پھوٹ ہے کوئی چیز ہو اس کی
حکومت اللّٰہ تعالیٰ کے حوالے پر ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصّیٰ به نوحًا والذی اوحینا الیك وما وصّینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه ط کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه ط اللّٰه یجتبی الیه من
یشاء ویهدی الیه من ینیب (شوریٰ ٣)

وما تفرقوا الا من بعد ما جاءتهم العلم بغیاً بینهم لقد صدقکم اللّٰه وعده اذ تحسونهم
باذنه، حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا
ومنکم من یرید الاٰخرة ثم صرفکم الخ (لن تنالو رکوع ٦)

ام لهم شرکٰؤا شرعوا لهم من الدین ما لم یأذن به اللّٰه (شوریٰ ٣)

تشریح اصل دین ہمیشہ سے ایک ہے اور احکام ہر دین میں جُدا ہیں ولِکُلِّ اُمَّۃٍ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ فلاینازعنك فی الامر وادع الی ربك انك لعلی ھدًی مستقیم (الحج ۹)

دین ابراہیم لم یکن یہودیا ولا نصرانیا ولا یعبد الا اللّٰہ (بخاری)

فان امنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اہتدوا (الی الحق واصابوہ کما اہتدیتم وحصل بینکم الاتحاد والاتفاق) جلالین صہ۵ے وان تولوا (عن الایمان بہ) فانما ھم فی شقاق (بقرہ ۱۵)

رای ان ترکو مثل ھذا الایمان فقد التزاموا المنافقۃ فحیث التزموھا علمنا انہ لیس غرضھم طلب الدین والانقیاد للحق وانما غرضھم المنازعۃ واظہار العداوۃ (تفسیر الکبیر)

باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف صہ۳۶ ج ۱ بخاری

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعث معاذاً وابا موسیٰ الی الیمن فقال تیسّرا) ولا تعسّرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا یختلفا (الحدیث)

ا؎ ای کونوا متفقین فی الحکم ولا تختلف لئلا یودی الی اختلاف اتباعکما فیقع العداوۃ (کذا فی المجمع) قتادہ کی روایت میں "حرب" ریح کو کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تفسیر مجازی ہے:۔ المراد بالریح القوۃ فی الحرب اس باب میں دو حدیث ہیں۔ ایک حدیث ابوموسیٰ جس میں لا یختلفا واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث البراء غزوہ احد کے بارے میں ہیں۔ الغرض منہ ان الھزیمۃ وقعت بسبب مخالفۃ الرماۃ بقول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تبرحوا من مکانکم (حاشیہ بخاری صہ۴۳۶ ا)

واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم

عن عباس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔ ۔ ۔ ۔ اوصیٰ عند موتہ بثلٰث اخرجوا مشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد ما کنت اجیزھم ونسیت الثالثۃ

۳؎ واجیزوا الوفد من الاجازۃ ویقال اجازۃ بجوائز یعنی اعطاہ عطایا علیٰ قدر حسبہ یعنی اکرموھم بالضیافت والتطییب لنفوسھم والاعانۃ لھم سواء مسلمین او کفارا خیر جاری

آیات کی شانِ نزول کفر و طغیان ظلم و عصیان ہے

حقیقتاً نزول احکام کا سبب کفر و طغیان، ظلم و عصیان کا وجود ہے خواہ وہ کفر و طغیان، ظلم و عصیان کہیں ظاہر ہوا ہو کسی وقت ظاہر ہوا ہو کسی سے ظاہر ہوا ہو خواہ نزول آیات کے وقت مخصوص کافر و طاغی، ظالم و عاصی، افراد و اقوام ان آیات کی نزول کا سبب کیوں نہیں ہوں۔ کوئی کافر و طاغی ظالم و عاصی ان احکام کی رو سے یہ کہہ کر نہیں بچ سکتا کہ ان آیات کی نزول کا سبب ہم اور ہمارے افعال نہیں ہیں۔ کیونکہ افعال فاسدہ کا وجود ہی ان آیات احکام کی نزول کا سبب ہے۔ جہاں کہیں اور جب کبھی اور جس کسی سے بھی وہ افعال فاسدہ ظہور پذیر ہوں گے وہی احکام صادق آئیں گے اور نافذ ہوں گے۔

اس لئے وہ جو یہ سمجھ کر مطمئن ہیں کہ فرقہ بندیوں کی ممانعت میں جو آیات ہیں انکی "شانِ نزول" یہودیوں کی فرقہ بندی ہے اور یہی فرقہ پردازیوں کا دین میں جواز تلاش کرتے ہیں، وہ ضال و مضل ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول پر افترا ہے اسلام فرقہ بندیوں کے استیصال کے لئے آیا ہے۔ تفریق کو مٹانا اور توحید کو قائم کرنا اسلام کا نصب العین ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے:

"من رای من امیره شیئاً فکرهه فلیصبر فانه لیس احد یفارق الجماعة شبراً فیموت الا مات میتة جاهلیة"۔

جماعت سے افتراق جاہلیت کی موت مرنا ہے

اگر کسی شخص نے اپنے امیر سے کوئی امر ایسا سرزد ہوتے دیکھا جو اس کو ناپسند ہو تو اس کو صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص جماعت سے ذرا سا بھی متفرق ہو کر مرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے

فرقہ بندیوں سے اسلام کے

جماعتی نظام کو نقصان

آج اسلام کا جماعتی نظام پاش پاش ہو چکا ہے وہ اسلام جو عالمگیر نظام اجتماعی کا ضامن ہے۔ نااہلوں کے ہاتھ میں آکر کچھ محدود نظر اور تنگ خیال انسانوں کا مذہب بن کر رہ گیا۔ وہ اسلام جو ساری دنیا کو اپنے آغوشِ رحمت میں لینے کے لئے آیا تھا، اس کا دائرہ خود مسلمانوں پر روز بروز تنگ ہوتا جا رہا ہے ملّت اسلامیہ میں ہر طرف انحطاط و انتشار نمایاں ہے خواہ اس کے ظاہری اسباب کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے جماعتی نظام کو درہم برہم کر چکے ہیں ؛

قولہ علیہ السلام۔

"ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل وفي حديث ابن عباس من ابغض الناس من هو مبتغ (طالب) في الاسلام سنة الجاهلية في الا

قوله صلعم من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهورد۔

اکابر علماء کی تصریحات

اس نقطۂ نظر سے مسلم افراد پر اجتماعی ذمہ داریاں کیا عائد ہوتی ہیں اور مسلم نظام اجتماعی کس طرح صورت پذیر ہو سکتا ہے۔؟ اس کا جائزہ لیا جانا چاہیئے۔

۔ کتاب اللہ میں اس "نظام اجتماعی" کا راز ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے ؛

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا"

(آل عمران ۲)

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں متفرق نہ ہو"۔

اس حکم پر اسلام کے اجتماعی نظام کا مدار ہے ؛ شاہ عبدالقادرؒ اس آیت کی بنا پر جماعت کے قیام کو فرض قرار دیتے ہیں۔ (موضح القرآن) آل عمران ع۲۔ حافظ عمادالدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں افراد امت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جماعت کی صورت میں منظم رہیں اور غیر منظم رہنا ممنوع سمجھیں۔

امرهم بالجماعة ونهاهم عن التفرق۔

(تفسیر القرآن العظیم ج اص ۳۸۹)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

نحن معشر الانبياء اولاد علات

دینناواحد۔ (مشکوۃ) ہم تمام انبیاء علاتی بھائیوں کی جماعت کی طرح ہیں، ہمارا دین ایک ہے۔ قرآن اسلام کی ہیئت اجتماعی کو مشہور و ممتاز پیغمبروں کا جو قانون ہے، وہی تمہارے لئے ہے، وہ قانون کیا ہے:

ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا

یہ کہ دین قائم کرو اور پارہ پارہ نہ ہو۔ اس کے بعد تاکید ہے۔ تفرقوا۔ نظام اجتماعی کو پاش پاش نہ کرو۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر اس کی تائید میں لکھتے ہیں:

اوصی اللہ تعالیٰ جمیع الانبیاء بالائتلاف

تمام افراد کو اللہ کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک ہو جانا نظام اجتماعی کی وہ توحید ہے جو کسی تفریق کو قبول ہی نہیں کر سکتی۔ وہ ہمہ گیر اتحاد ہے جو اختلاف پذیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ افراد جنہوں نے غیر اللہ کے رشتوں کو منقطع کر کے اللہ کے رشتہ میں خود کو منسلک کر لیا جنہوں نے غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کو مضبوط پکڑ لیا۔ وہ اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے، اس جماعت حق کا ہر فرد اپنی زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھتا ہے، وہ نماز پڑھتا ہے تو خدا کے لئے قربانی کرتا ہے تو خدا کے لئے، زندہ رہتا ہے تو خدا کے لئے، مرتا ہے تو خدا کے لئے، ہر فرد کا یہی پروگرام ہے اسی کا نام اسلام ہے:

اس پروگرام میں ذاتی مفاد، ذاتی اغراض و مقاصد کا ذرہ برابر کہیں شائبہ نہیں

علم پر عمل
عقیدے سے وفاداری

علمی دنیا سے ذرا ہٹ کر دیکھئے کہ علمی دنیا میں اس پروگرام کے مطابق کہاں تک لوگ عمل پیرا ہوئے ہیں اور یہ نظریہ THEORY میدان عمل PRACTICE میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے ایک جماعت شہیدان حق اور بیگناہ مقتولین کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی اپنی جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے:

حضرت خدیجہ رض کے پہلے شوہر سے فرزند "ہالہ" تلواروں سے قتیمہ کئے گئے سمیہ رض حضرت عمار کی والدہ ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہو گئیں، حضرت یاسر رض کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے۔ حضرت خبیب نے سولی پر جان دی، حضرت زید رض نے تلوار کے سامنے گردن جھکا دی۔ حرام رض بن ملحان اور ان کے ہمراہ (۶۹) رفقا نے بیر ملعونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بیکسی کے ساتھ جام شہادت پیا۔ واقعہ رجیع میں حضرت عاصم اور ان کے ساتھ رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیر اندازوں نے چھلنی کر دیئے۔ ۳ھ ابن ابی نحو جا کے ۹م ساتھی

قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے حضرت کعب
بن عمر غفاری مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاح
کے میدان میں شہید ہوئے۔ دنیا کے ایک مشہور
مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے لیکن دیکھو
کہ اسلام میں کتنی سولیاں کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں
تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی یا سولی کی لکڑی
بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے اس سے زیادہ استقلال
اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں
جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں جنہوں
نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا۔
اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینے پر رکھا جو گلے میں
رسیاں ڈال کر گھسیٹے گئے، اور جب پوچھا گیا تو وہی کلمۂ
توحید زبان پر تھا۔" شعب ابی طالب کی قید میں
تین برس تک درختوں کے پتے اور سوکھی جڑیں کھا
کھا کر زندہ رہے۔ سعد ابن وقاص عتبہ بن غزوان
کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے ان غیر فطری غذاؤں
سے ہمارے منہ زخمی ہو گئے تھے خبابؓ جب اسلام
لائے تو کافروں نے ان کو دہکتی ہوئی آگ پر لٹایا۔
یہاں تک کہ وہ آگ ان کی کمر کے نیچے کوئلوں میں تبدیل
ہو گئی بلالؓ دوپہر کو جلتی ہوئی ریت پر لٹائے جاتے
اور سینہ پر سل رکھ دی جاتی ان کی گردن میں رسی
باندھی جاتی اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا ابو فکیہہؓ
کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر گھسیٹا گیا ان کا گلا
دبایا گیا۔ ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ
ان کی زبان نکل پڑی عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر
لٹائے جاتے اور مارے جاتے۔

حضرت زبیرؓ کو انکے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں
دھواں دیتا، سعید ابن زید رسیوں میں باندھ
کر پیٹے جاتے حضرت عثمان کو ان کے چچا نے رسیوں
میں باندھ کر مارا۔ (خطبات مدراس ۱۰۸)

یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا، وہ اترنا
نہ تھا یہ کیسا نشہ تھا، یہ ساقی کوثر کے مخانہ توحید
کا نشہ تھا۔ وہ سلک حبل جس اللہ میں منسلک
ہو چکے تھے۔ عروۃ الوثقیٰ[۱] سے متمسک ہو چکے تھے
کفر بالطاغوت مکمل ہو چکا تھا اور ایمان
باللہ کی حلاوت چکھ چکے تھے۔

ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ
فقد استمسک (الخ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
تین خصلتیں جس کسی میں پائی جائیں اس کو ایمان
کی حلاوت اور لذت مل گئی۔ پہلی خصلت یہ ہے
کہ خدا و رسول سے زیادہ محبوب کسی کو نہ رکھے دوسرے

۱: ومن یسلم وجہہ الی اللہ
وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ
الوثقیٰ (رحمن - ۱)

پر وہ کسی سے ہو تو محبت نہ رکھے مگر خدا کی خوشنودی
کے لئے، تیسرے یہ کہ جب خدا نے اس کو کفر سے نکالا ہے
اس کے بعد اس کو کفر کی طرف بازگشت ایسی ناگوار
ہو جیسے اس کو آگ میں ڈالا جائے۔[1]

اسلام کی تاریخ ان شہیدوں کی جانبازیوں
پر اور ایسے جانبازوں کی کثرت پر ناز کر سکتی ہے۔
مسلمان تو خیر مسلمان ہیں، غیر مسلم بھی ان حقائق
کے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ گاڈفری ہیگنس "اپالوجی
فار محمدؐ" میں لکھتا ہے:—

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ کے
پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا
تھا کہ جس کو عیسیٰ کے ابتدائی متبعین میں تلاش کرنا
بے سود ہے۔ جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو
بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا
کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے، برعکس اس
کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر
کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ
میں ڈال کر تمام دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔"
(ترجمہ اپالوجی فار محمد مطبوعہ بریلی صفحہ ۶۶-۶۷)

یعنی احد کے مشہور معرکہ میں جب قریش
کے تیغ زنوں نے آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی
صفیں درہم برہم ہوگئیں تو آپ نے آواز دی کہ کون
مجھ پر جان دیتا ہے؟ اس آواز کو سن کر دفعتہً ساٹھ (۶۰)
انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے
لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ ایک انصاری خاتون کے باپ
بھائی اور شوہر تینوں پیاری جانیں اس معرکہ میں
تصدق ہوئیں، باری باری تینوں سخت حادثوں کی
صدائیں اس کے کان میں پڑتی رہیں، اور وہ ہر بار صرف
یہی پوچھتی رہی کہ وہ جانِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں، اس نے پاس آکر چہرۂ
مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی "کل مصیبة
بعدک جلل یا رسول اللہ" تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں
ہیچ ہیں (خطبات مدراس) علمی دنیا میں آپ نے دیکھا
کہ انہوں نے مصیبتوں کے عالم میں بھی تلواروں کی دھار پر،
برچھیوں کی انی پر، آگ کے بستر پر، گرم ریت پر، عقوبت و
تعذیب کے ہر ممکن موقع پر اللہ کی جماعت کا ہر سپاہی
کتنا جانثار فدائی ہے۔ کس قدر گرم جوشی سے
موت کا استقبال کرتا ہے؟ اور دنیا پر ثابت
کرتا ہے کہ وہ ایک ثابت قدم اولوالعزم بہادر اور
ثابت القول سپاہی ہے جس جماعت میں ایسے
افراد ہوں، وہ جماعت کس سے مغلوب ہو سکتی ہے

الا ان حزب اللہ ھم الغالبون ؕ
(ہمیشہ غالب آنے والی فوج اللہ کی ہے۔)

---

[1] ثلث من کن فیه وجد حلاوة الایمان من
کان اللہ ورسوله احب الیه مما سواھما ومن
احب عبداً لا یحبه الا للہ ومن یکرہ ان یعود
فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منه کما یکرہ ان یلقی فی
النار کذا فی صحیح البخاری

جس فوج میں باہمی افتراق وانتشار ہو وہ کبھی کسی معرکہ میں فتحمند نہیں ہو سکتی۔

"واطیعوا اللہ ورسولہٗ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصّٰبرین۔" (الانفال)

"اور رسول اللہ کا حکم مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور قدم جمائے رہو۔ اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے"

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

(لن تنالوا۔ ع ٦)

"اور اللہ اپنا وعدہ تم سے سچ کر چکا جب تم ان کو قتل کرنے لگے اس کے حکم سے یہاں تک کہ تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور بے حکمی کی اس کے باوجود کہ تم کو تمہاری خواہش کی چیز دکھائی جا چکی تھی"

خدا اور رسول کے احکام میں تاویل، تحریف، تبدیلی اور اختلاف کے نتائج کس قدر خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان اس کا ذرا سا بھی تصور کر سکتے ہیں تو ان چیزوں کے قریب نہ جائیں۔

احد کے معرکہ میں اللہ نے فتح کا وعدہ کیا تھا۔ لشکر کفار پر ہزیمت طاری ہوئی بھگدڑ مچی پچاس تیرانداز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہاڑ پر تعینات تھے اور جن کو صاف صاف ہدایت تھی کہ لا تبرحوا عن مکانکم۔ تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ فتح کے آثار دیکھ کر پہاڑ سے اتر آئے۔ صرف دس پہاڑ پر رہ گئے۔ حکم میں تاویل وتحریف وتبدیلی کی راہ نکالی۔ دشمنوں کے تعاقب اور مال غنیمت کے حصول کی طرف متوجہ ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے :۔ قتادہ کی روایت میں حرب ریح کو کہا گیا ہے، حالانکہ وہ تفسیر مجازی ہے۔ کیونکہ ریح سے مراد القوۃ فی حرب ہے۔ اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث ابو موسیٰ جس میں لا تختلف واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث براء غزوہ احد کے بارے میں۔ الغرض منہ ان الھزیمۃ وقعت بسبب مخالفۃ الرماۃ یعنی شکست تیراندازوں کی مخالفت کی وجہ سے واقع ہوئی ہے تیراندازوں کو حکم تھا: لا تبرحوا عن مکانکم، تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اس کی مخالفت میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے کفار نے لوٹ کر حملہ کر دیا تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

آوازیں دیتے رہے کہ کفار کا تعاقب نہ کرو، میرے
پاس آؤ۔ مگر تیر انداز اور تیغ زن بدقسمتی سے اور دُھن
میں لگے رہے۔ کفار نے اس بدنظمی سے فائدہ اٹھا
کر پھر حملہ کر دیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجروح
ہوئے اور کسی کافر نے آپ کی شہادت کی جھوٹی خبر
اڑا دی۔ مسلمانوں کے رہے سہے حواس یہ سن کر اور جاتے
رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون بہت
بہہ گیا تھا۔ ضعف کے مارے ایک گڑھے میں
گر گئے، ایمان والوں نے جب حضرت کو نہ دیکھا تو
اس خبر کو صحیح سمجھ لیا۔ جب حضور کو ہوش آیا تو میدان
میں جو لوگ حاضر تھے ان کو جمع کیا، پھر لڑائی قائم
کی۔ اس وقت کافر پھر کر چلے گئے۔ (موضح القرآن)
آپ نے ملاحظہ کیا، ذرا سا اختلاف و افتراق کا نتیجہ

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا
(بنی اسرائیل ۸)

یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو تم سے
پہلے ہم نے بھیجے، اور تو ہماری دستور میں تفاوت نہ پاوے گا
قانون قدرت کی اصل اٹل ہے یہودی ہوں
یا عیسائی، ہندو ہوں یا مسلمان، جو کوئی ان اصولوں سے
ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائیگا۔

امیر کی اطاعت، جماعتی تنظیم اور باہمی اتحاد
جہاں کہیں بھی ہوگا، وہ جماعت اس گروہ پر غالب
رہے گی جس میں یہ سب باتیں نہ ہوں۔ آپس میں
جھگڑے اور اختلافات رکھنے والی جماعت کی ہوا بگڑ
جائے گی، یہ قدرت کا اٹل قاعدہ ہے۔ تاریخ عالم
اس حقیقت کی شاہد ہے، وہ مسلمان جو اس وقت
قانون قدرت کے خلاف رویہ اختیار کرتے ہیں قدرت
کو کیا ضرورت ہے کہ ان کے لئے اس قانون کو بدلے،
انہیں اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ اللہ کا قانون نہیں
بدل سکتا۔ حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم
کی خلاف ورزی کا کتنا خطرناک نتیجہ مسلمانوں نے
بھگتا۔ اس لئے کہ فرمانبرداری و نافرمانی ایک نہیں
ہو سکتی، نہ اس کے نتائج ایک ہو سکتے ہیں۔ نہ اس کے
اثرات ایک ہوں گے!

اختلاف ہی جنگ احد میں

ہزیمت کا باعث ہوا

تفریق سے توحید کا کام نہیں لیا جا سکتا۔
نفاق سے اتحاد کا فائدہ نہیں ہوتا۔ نقصان سے اتفاق
کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ جنگ احد نے ثابت
کر دیا کہ حصول فتح کے لئے جو اصول رسالتمآب نے مقرر
فرمائے تھے ان کی تعمیل میں تنازعہ اور اختلاف کے
پیدا ہونے سے جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ ہزیمت اور شکست تھا
خدا کو منظور ہوتا تو مسلمانوں کو پھر کبھی شکست
نہ ہوتی، وہ اس مخالفت حکم کے باوجود بھی مظفر و منصور

ہو جاتے۔ اور خدا کو رسول قیامت تک کے لئے قائم کرنا مقصود نہ ہوتا؟ اپنے ... کا حکم نہ ماننے پر تادیبی کارروائی (ڈسپلنری ایکشن) ان کے خلاف نہیں جاتا۔ بلکہ انعام عطا فرمایا جاتا۔ تو اس کے معنی صرف یہی ہوتے کہ "نظام اجتماعی" ہمیشہ ہمیشہ کو ختم ہو جاتا! نافرمانی کوئی جرم نہ ہوتی — خلاف ورزی ہدایت کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ دنیا کی کسی معمولی سی معمولی حکومت میں کبھی ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ پھر خدا کی حکومت میں ایسی سہل انگاریوں اور خوش فہمیوں سے کام لینے والے جاہل مطلق اور احمق نہیں تو کیا ہیں:

"ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ
کل نفس بما کسبت رھینۃ"
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
اِنْ تَنْصُرُوْا یَنْصُرْکُمُ اللّٰہُ۔

رسولؐ کی مخالفت تباہی کا باعث ہے

ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کے حکم کی مخالفت دین و دنیا میں ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اہل ایمان کا راستہ اطاعت رسولؐ ہی ہے۔ جو شخص اس راستہ سے انحراف کر کے کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے قدرت اسی گمراہی کی طرف اس کو متوجہ کر دیتی ہے تاکہ اس کو جہنم واصل کیا جائے۔ (وہ جہنم) جو بدترین جگہ ہے:

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (النساء ع ۱۳)

جو کوئی رسولؐ سے مخالفت کرے جب کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ کے سوائے اور کوئی راہ اختیار کرے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرتا ہے (تاکہ) اس کو جہنم واصل کریں جو بہت بری جگہ ہے۔

صراط مستقیم سبیل مومنین توحید ہے

وہی ایک صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے جس کو صراط الذین انعمت علیہم (ان لوگوں کا راستہ جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ صدیقین شہیدین و صالحین ہیں۔ صراط اللہ العزیز (اللہ غالب کا راستہ) ہذا صراطی مستقیما (یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے) ان ربی علی صراط مستقیم (بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے) سبیل المومنین (مومنوں کا راستہ) کے مختلف الفاظ و ضمائر کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ واتبع سبیل من اناب

لہ فٹ نوٹ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

ف۔ اور راہ چل اس کی جو میری طرف رجوع ہوا۔ اس راہ مستقیم کے علاوہ کوئی راہ ہو سکتی ہے تو وہ صراط المغضوبین ہے (غضب جن لوگوں پر نازل ہوا ان کا راستہ) صراط الضالین ہے (گمراہوں کا راستہ) اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں) سبیل جہنم ہے (جہنم کا راستہ)

ہدایت و ضلالت کا دوراہہ

اس رشد و ہدایت اور کفر و ضلالت کے دوراہے پر انسان کھڑا ہوا ہے عقل صحیح اور قلب سلیم کی قیادت جن افراد کو حاصل ہے وہ رشد و ہدایت کی منازل یقین میں گامزن ہیں، اور جو افراد خواہش نفس اور اوہام فاسدہ سے مغلوب ہیں، وہ کفر و ضلالت کے جنگل میں بھٹک رہے ہیں، اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، دین میں جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہدایت گمراہی سے ممیز و ممتاز ہو چکی، اللہ کی حجت تمام ہو گئی

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(المزمل ۱۹)

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدہر ۱)

(ہم نے اس کو سمجھا دی راہ، اب وہ حق مانتا ہے یا ناشکری)

اس طرح نوع انسانی کے افراد دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ خدا کے ماننے والوں کا ہے، وہ خدا کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتا ہے۔ وہ مومن کہلاتا ہے دوسرا گروہ اس کی ضد ہے۔ یعنی نہ وہ خدا کو مانتا ہے نہ خدا کے بتائے ہوئے راستہ کو مانتا ہے یہ گروہ کافر کہلاتا ہے!

پھر خدا اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں متفق متحد اور ایک رہیں، پارٹی بازی، فرقہ بندی، گروہ بندی، ذات پات کی تفریق، رنگ و نسل کی تفریق، عقائد و رجحانات کی تفریق، مشارب و مذاہب کی تفریق، ملکی اور صوبائی تفریق کو وحدت دین کے منافی سمجھیں اور ان قوموں کا مصداق بننے سے بچیں جنہوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی، فرقہ بن گئیں جب کہ اللہ نے ان کو مغضوب علیہم اور ضالین قرار دیا

---

۱ :- خَطَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لهم خطاً ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً عن يمينه وعن شماله هذا سبل على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه وقرأ: إن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔

بلحاظ ضرورت میں یہ ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ فرقہ بندیاں جو اسلام میں جاری و ساری ہیں، یہ سب مخالف دین، مخالف نظم اجتماعی اور مخالف مصالح دینی و دنیوی ہیں۔ اگر صدرِ صریح امتناعی حکم کے باوجود رسول کے صریح امتناعی ارشاد کے باوجود یہ فرقہ بندیاں جائز ہو سکتی ہیں تو پھر ناجائز اور حرام کس چیز کو کہا جائیگا؟

"والقینا بینہم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیٰمۃ"۔

"ہم نے قیامت تک کے لئے ان کے آپس میں دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ (المائدہ، رکوع ۱۳)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر اسطرح کی گئی ہے کہ:۔

من کل فرقۃ منہم تخالف الاُخری ای ان الیہود فرق مختلفۃ کالجبریۃ والقدریۃ والمشبہۃ والمرجیۃ وکذا النصاری فرق کالملکانیۃ والنسطوریۃ والیعقوبیۃ والماردانیہ فان قلت المسلمون ایضاً فرق متعادون فکیف یکون ذلک عیباً فی الیہود والنصاریٰ قلت افتراق المسلمین انما حدث بعد عصر النبی صلعم والتابعین اما فی الصدر الاول فلم یکن شیٔ من ذلک حادثاً بینہم فحسن جعل ذالک عیباً فی الیہود والنصریٰ فی ذالک الزمان الذی نزل فیہ القرآن علی النبی علیہ السلام۔ (خازن)

(ترجمہ) ان میں سے ہر فرقہ ایک دوسرے کا مخالف ہو گیا۔ یعنی یہود میں مختلف فرقے تھے، ملکانیہ، نسطوریہ، لعیقوبیہ، ماروانیہ۔ پس اگر آپ یہ کہیں کہ مسلمانوں میں بھی تو متعدد فرقے ہیں پھر یہ فرقہ بندیاں صرف یہود اور نصاریٰ کے لئے ہی عیب کی بات کس طرح ہو سکتی ہے؟ تو میں کہوں گا کہ مسلمانوں میں یہ افتراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعینؒ کے زمانے کے بعد حادث ہوا ہے ورنہ صدر قرن اول میں یہ افتراق ان کے آپس میں نہ تھا اس لئے فرقہ بندی جو یہود و نصاریٰ میں عیب قرار دی گئی تھی وہ اُس زمانے کی بات ہے جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا (خازن)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ فرقہ بندی کی لعنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین کے زمانے کے بعد کی بدعت ہے:

"افتراق المسلمین حدث بعد عصر النبی صلعم والتابعین ط

افتراق مسلمین

دوسری بات یہ واضح ہو گئی کہ ان فرقہ بندیوں کا نتیجہ تحقیق حق نہیں بلکہ افتراق مسلمین ہے۔

تفریق کی یعنی پھوٹ ڈالنے کی شیطانی پالیسی کا نقطہ نظر ہے۔ فرعون ملک میں اپنی برتری چاہتا تھا اس لیے اپنے عوام کے کئی گروہ کر رکھے تھے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝

(القصص - ع ۱)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ - (القصص - ع ۴)

یہود سے مشابہت:

تیسری بات یہ واضح ہو گئی کہ فرقہ بندی کے لحاظ سے یہود و نصاریٰ سے مسلمان مشابہ ہو گئے وجہ شبہ افتراق فیما بین طرفین میں مشترک ہے۔

نتائج: - چوتھی بات یہ نمایاں ہے کہ باہمی افتراق کے جو نتائج یہود و نصاریٰ پر مرتب ہوئے وہ مسلمانوں پر بھی مترتب ہونے لگے مثلاً یہ کہ "من کل فرقة منهم تخالف الاخریٰ"۔ کہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف ہو گیا۔ شیعہ سنی کا دشمن ہے سنی شیعہ کا بدخواہ ہے۔ وقس علی ہذا۔

مابہ الامتیاز

پانچویں بات، جس کو کہتے ہوئے دل دھڑکتا ہے وہ یہ کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں کوئی مابہ الامتیاز شے تھی تو وہ یہی تھی کہ یہود و نصاریٰ افتراق باہمی میں مبتلا تھے اور ان میں سے ہر فرقہ اپنی خواہش کے مطابق کلام الٰہی میں تحریف و تاویل کر کے اس کو مفید مدعا بنا لیتا تھا (یحرفون الکلم عن مواضعہ) کلمات الٰہیہ کو اپنے مواقع سے تحریف کر ڈالتے تھے اور جو بات مناسب حال سمجھتے مانتے جو بات مناسب حال نہ سمجھتے نہ مانتے (یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض الکتب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ میں اسی ملت ابراہیم کی تجدید و احیاء کے لیے مبعوث ہوا ہوں جس کے تم پیرو ہو مگر تم نے جو اس ملت میں تحریف و تاویل تغیر و تبدیلی اپنی فرقہ پردازیوں کے جواز اور اغراض فاسدہ کی تکمیل کے لیے کی ہے اللہ اور اس کے رسولؐ اس سے بری ہیں تم جو حضرت ابراہیمؑ کو یہودی اور نصرانی ثابت کرتے ہو یہ غلط ہے وہ مسلم تھے اور ہم تم سب امت مسلمہ ہیں تمہارا یہ دعویٰ کہ جب تک یہودی یا

نصرانی نہ ہو جائے کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔
غلط ہے جنت نیکو کار خدا ترس لوگوں کے لئے ہے
اے اہل کتاب آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر متحد ہو جائیں
جو ہم تم دونوں کے نزدیک مساوی طور پر قابل تسلیم
ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔
اور آپس میں ایک دوسرے کو اپنا صاحب قرار نہ
دیں۔ اگر تم اس بات کو منظور نہیں کرتے ہو تو
اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں مگر اہل کتاب
یہود و نصاریٰ جو اپنی موجودہ روش کو ہی دین سمجھے
ہوئے تھے خود اپنے پیغمبروں کی تعلیم کے خلاف تفرقہ
میں گرفتار رہے اور فبھداھم اقتدہ اور اپنے
ہی سلف کی اقتدا میں حضور صلعم نے اسلام کے
صحیح خط و خال کو نمایاں فرما کر بچھڑے ہوئے انسانوں
کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ انما المؤمنون اخوۃ فرما کر
مواخات و مساوات قائم فرمائی واعتصموا بحبل اللہ
جمیعا فرما کر یہودیوں کی سی فرقہ بندیوں کو نہ صرف
ممنوع قرار دیا بلکہ صاف اور غیر مبہم الفاظ میں
اعلان فرما دیا کہ دین نظام اجتماعی کا طالب ہے
جو افراد اس نظام اجتماعی سے کٹ جائیں گے وہ
جماعت کے فرد نہیں ہیں ایسے لوگوں سے مرکز کا
کوئی سروکار نہیں۔

"ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست
منھم فی شیٔ" (الانعام)

جو افراد بیت دینی نظام سے منتشر ہو گئے
اور علیحدہ علیحدہ پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے مجھ کو ان
سے کوئی سروکار نہیں، قرآن ایسے اجتماعی نظم کو
دین کہتا ہے اور تمام جگہ خدا کی حاکمیت کا اعلان
کرتا ہے اور روئے زمین کی حکومت کا تذکرہ کرتا ہے
جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کو نظام اجتماعی
سے اور نظام اجتماعی کو حکومت سے کتنا بڑا تعلق

فما یکذبک بعد بالدین الیس اللہ
باحکم الحاکمین۔

مگر قرون اولیٰ کے بعد مسلمانوں میں رفتہ
رفتہ وہ تمام عیوب حادث ہو گئے جن سے یہود و
نصاریٰ معیوب ہو کر مغضوب ہوئے تھے۔ توحید
کی جگہ تفریق آگئی اتحاد کی جگہ افتراق آگیا لا تفرقوا
کی تعمیل تفرقوا سے کی گئی دین کو افتراق اور اختلاف
کا بازیچہ بنا لیا گیا۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا
من بعد ما جاءھم البینات واولئک لھم
عذاب عظیم۔ (آل عمران ۱۰)

کتاب و سنت کو توڑ مروڑ کر مفید مدعا
بنانے میں دراز کار تاویلات کا دروازہ کھول دیا
گیا ہر فرقہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہتا

معمول بنا لیا علم کا مصرف تحقیق حق کے بجائے مجادلات و مناظرات ضحاریت و مہارت سمجھ لیا گیا۔

"وما اختلفوا الا من بعد ما جاءہم العلم بغیاً بینہم۔"

اور وہ آپس میں مختلف نہ ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ آپس کی ضد سے مختلف ہوئے اس کے باوجود ہر فرقہ خود کو جنت کا واحد اجارہ دار کہتا ہے اور دوسرے کو جہنمی گویا ہر فرقہ دوسرے کے نزدیک جہنمی ہے اور بقول سب کے سب جہنمی ہے نعوذ باللہ من ہذا التفرقہ'

ان فرقہ بندیوں میں عوام کو دخل بہت کم ہے کیونکہ ان کے پاس نہ علم ہے نہ عقل نہ مذہب سے واقفیت' یہ تمام کرتوت علماء سوء[1] کی ہیں انہوں نے محض اپنے بت پجوانے کے لئے اپنے زور بیان، زور قلم اور تبحر علمی کو ثابت کرنے کی غرض سے اپنی علمیت کو منوانے کے لئے یہ بت خانے بنائے ہیں۔ کبھی[2] انہوں نے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے درباریوں میں رسوخ و اقتدار حاصل کرنے کے لئے ان کی ظالمانہ اور غاصبانہ رویہ کی حمایت میں اپنے علم سے کام لیا

"فلما انقرض عہد الخلفاء الراشدین المہدیین انقضت الخلافۃ الی قوم تولوہا بغیر استحقاق والاستقلال بعلم الفتوی والاحکام فاضطروا الی الاستعانۃ بالفقہاء والی استصحابہم فی جمیع احوالہم وقد کان بقی من العلماء من ہو مستمر علی طراز الاول وملازم صفو الدین فکانوا اذا طلبوا ہربوا و اعرضوا فرأی اہل تلک الاعصار عز العلماء واقبال الائمہ علیہم مع اعراضہم فاشرابوا بطلب العلم توصلا الی نیل العز ودرک الجاہ فاصبح الفقہاء بعد ان کانوا مطلوبین طالبین وبعد ان کانوا اعزۃ بالاعراض عن السلاطین اذلۃ بالاقبال علیہم الا من وفقہ اللہ الجدل والخلاف فی علم الفقہ وتفصیلہ علی ما ذکرہ الرازی حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱)

---

[1] ما ضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل

[2] یکون بعدی ائمۃ" لا یہتدون بہدای ولا یَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِی۔ (مسلم، ابوداؤد)

(یعنی میرے بعد ایسے قائدین حکومت ہوں گے جو میری ہدایات کے خلاف کام کریں گے اور میرے قانون کی خلاف ورزی کی جرأت کریں گے)۔

احکام صریح کو چھپایا، خیانت علمی سے کام لیا۔
اپنے اغراضِ فاسدہ کے لئے قرآن کی تاویل کی۔
احادیث سے انکار کیا ان میں عیب جوئی اور نکتہ چینی
کی، غرض کہ مذہب کو بھول بھلیاں اور دین کو گورکھ
دھندا بنا کر رکھ دیا۔ عوام کالانعام کا یہ حال ہے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں۔

تفریق بدعت ہے

جب کہ یہ تفریق مسلمہ طور پر بدعت ہے
تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہیں نہیں
وہ علماء جو ذرا ذرا سی باتوں کو بدعت کہتے ہیں۔
اس ام البدعت کی گود میں کروٹیں لیتے [illegible]
رہتے ہیں؟ کیا وہ علماء بھی اسی راہ کی نمائندگی
کر رہے ہیں جنہوں نے [illegible] کلمہ حق ترک کر کے اپنی
قوم کے گنہ[illegible] دوں [illegible]
[illegible]
کے دنوں میں [illegible] خلاف [illegible]
کردی تھی [illegible] کی بدعت پر جو شرک
و کفر پر مبنی [illegible] پردہ ڈالے ہوئے
ہیں کہ وہ خود ان کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہے ان کی
مکسوبہ دولت اور ایجاد ہے۔۔۔

"چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی"

یہ لوگ قیامت کے دن محمد رسول اللہؐ کو
کیا منہ دکھائیں گے، وہ رسول اللہؐ جو دنیا سے تشریف
لے جانے سے کچھ پہلے یہ وصیت فرما گئے تھے کہ:۔
"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی"
"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔
کتاب اور اپنی سنت۔"

کیا یہ لوگ کتاب وسنت سے افتراق
المسلمین کے لئے کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔
(نعوذ باللہ) قرآن تو اختلافات مٹانے کو آیا تھا
"وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین
لهم الذی اختلفوا فیه وهدی ورحمة
لقوم یومنون" (النحل ۶۴)۔

تو پھر کیا یہ فرقہ بندیاں کتاب وسنت کے
خلاف کھلی بغاوت نہیں ہیں؟ تم نے دین میں جو اختراعات
وایجادات فرمائی ہیں ان ایجادات واختراعات کے
[illegible] خدا سے توبہ کرو۔ فرقہ بندی یہود
ونصاریٰ کا شیوہ ہے ان کی سنت ادا کرنے سے باز
آؤ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا
کرو۔ ذات پات، رنگ ونسل، ملک وقوم کے بتوں
کو توڑ دو سندھی، ہندی، پنجابی، سرحدی، بنگالی و
کابلی کے نعرے [illegible] کو پیش کرو سنی، شیعہ، اہل حدیث
وہابی کی توسیوں سے کافر سازی کے آلات چھین لو۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اپنے طغرائے امتیاز اور

نقطۂ اتصال بن جاؤ! اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے

اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے

ھو الذی سمکم المسلمین: جو اسم عطا کیا گیا ہے اس کے مسمیٰ بنو! دنیاوی مکاسب و مناصب و مشارب کا اختلاف، شعوب و قبائل کا اختلاف محض تعارفی اغراض کے لیے ہے۔ "لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام"۔ ضرر اور ضرر رسانی اسلام میں نہیں ہے۔"

مُسلِم کی تعریف

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ"

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سالم رہیں صدیوں سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لے آؤ قرنوں سے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو گلے ملاؤ، باہمی منافرت و نفاقشت کے دروازے بند کرلو۔ "رحماء بینھم" (وہ آپس میں بڑے رحم دل) کا عملی ثبوت دو۔

مؤمن کی تعریف

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائیوں کے لئے وہ بات پسند نہ کریں جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (کذا فی البخاری)

آنچہ بخود نپسندی بدیگرے مپسند

مسلمانو!

تمہیں عالمگیر جنگ لڑنا ہے وہ جنگ عالمگیر تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے خانہ جنگی ختم کرو اللہ اور اس کے رسول کے نام پر ایک ہو جاؤ خدا کی قسم تم ایک ہو تم سے غلط کہا گیا ہے کہ تم ایک نہیں ہو تم سب بھائی بھائی ہو تمہیں غلط باور کرایا گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو شیطان یہ چاہتا ہے کہ:۔

(ان یوقع بینکم العداوۃ) تمہارے آپس میں عداوت واقع ہو اس کی ہوش ربا باتوں میں نہ آؤ اللہ یہ چاہتا ہے (فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا) کہ جیسے پہلے تمہارے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا کر دی گئی تھی اور تم سب اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے تھے اسی طرح پھر تمہارے دلوں کو باہمی محبت کا خزانہ بنا دے اور اپنے انعام و الطاف سے تم میں اخوت پیدا کر دے شیطان سے پناہ مانگو اللہ کی پناہ میں آجاؤ وہ فرماتا ہے کہ: "قل ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"۔ اے نبی فرما دیجئے کہ میرا راستہ سیدھا ہے تم سب اس راستہ پر چلو اور متفرق رستے اختیار نہ کرو ورنہ تم اس کی راہ سے بچھڑ جاؤ گے متفرق ہو جاؤ گے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے

کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے خوش اور تین شخصوں سے ناخوش ہوگا۔ جن تین شخصوں سے خوش ہوگا وہ یہ ہیں

(۱) ان تعبدوہ وحدہ ولا تشرکوا بہ شیئاً

جو صرف اسی ایک کی عبادت کرتے ہیں۔
اور کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے۔

(۲) وان تعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

جو اس کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور آپس میں متفرق و منتشر نہیں ہوتے

(۳) وان تناصحوا من ولاہ اللہ امرکم (بخاری)

اور جو اپنے اولوالامر کو نصیحت کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا آپ سب کا ایک مرکز پر جمع ہونا اللہ کو کتنا پسند ہے اگر آپ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور متفرق نہ ہو تو مخبر صادق نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا۔

جب اللہ تم سے خوش ہوگا تو تمام دنیا تم سے خوش ہوگی چار دانگ عالم میں تمہارا بول بالا ہوگا۔ بادشاہتیں تمہاری قدم بوسی کریں گی، تاج و تخت تمہاری ٹھوکروں میں ہوگا، یاد رکھو تیسری عالمگیر جنگ میں تمہاری موت و حیات کا راز مضمر نہیں ہے تمہاری حیات و موت کا راز خدا کی خوشی و ناخوشی میں ہے

نظامِ اجتماعی سے الگ ہو کر نماز روزہ وغیرہ بھی قبول نہیں

انتم الاعلون ان کنتم مومنین

تم ہی بڑھ چڑھ کر رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر ان پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے۔

۱۔ الجماعت ۲۔ والطاعۃ
۳۔ والسمع ۴۔ والہجرۃ ۵۔ والجہاد

آخر میں فرمایا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر الگ ہوگا۔ رشتۂ اسلام اس کی گردن سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اسلام کے بعد جو شخص زمانۂ جاہلیت کی روایات کی طرف رجوع کرے گا۔ اس کا مقام جہنم ہے خواہ وہ روزوں پر روزے رکھے۔ اور نمازوں پر نمازیں پڑھتا رہے۔

(رواہ احمد، ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح)

تنظیم امت
کا
بنیادی قانون

دولتِ خداداد پاکستان کے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب و منظم کرنے کی غرض سے دستورِ ذیل تجویز کیا جاتا ہے :-

مختصر نام اور وسعتِ مقامی اور نفاذ

دفعہ ۱۔ (الف) اس دستور کا نام دستورِ پاکستان ہوگا۔

(ب) یہ اُس تاریخ اور اُس وقت سے نافذ ہوگا جس تاریخ اور وقتِ نفاذ کا اعلان (غور و خوض حذف و اضافہ کے بعد) حکومتِ پاکستان کی طرف سے سرکاری گزٹ اور مقامی اخبارات میں ہوگا۔

(ج) یہ دستور تمام حدودِ پاکستان میں نافذ ہوگا۔

تشریح :- حدودِ پاکستان کے مفہوم میں وہ تمام ریاستیں اور حکومتیں صوبے اور علاقے شامل ہیں جو پاکستان میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں یا آئندہ شامل ہوں۔

عقیدۂ توحید کیساتھ وحدتِ ملکی اور وحدتِ قومی کا لزوم

مسلمان کی تعریف

دفعہ ۲۔ ہر مسلم ذو جہات ہے اس کی ایک جہت خالق سے متعلق ہے۔ دوسری جہت مخلوق سے وابستہ ہے۔

(الف) :- پہلی جہت میں ضروری ہے کہ وہ اسلام کے پانچوں بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہو (۱) توحید و رسالت (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج ادا کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا

(ب) دوسری جہت میں ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مخلوق کے ساتھ حسنِ
اخلاق، حسنِ سلوک، حسنِ معاملات اور عدل و انصاف سے معاملہ کرے۔

تشریح:۔ ہر مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے پانچوں بنیادی اصولوں پر اعتقاد رکھتا
رکھتا ہو۔ مگر یہ چیز قطعی طے شدہ ہے کہ توحید "اوّل المحکمات" "الخمسہ" ہے۔ اگر کوئی مسلم، توحید
میں تامل اور راسخ نہیں ہے تو اس کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ سب عبادات ناقص اور
ناقابلِ قبول ہیں اس لئے ہر مسلم کے لئے اوّل توحید پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

کوئی شک نہیں کہ خدا کو ایک ماننا، ایک جاننا، اقرارِ توحید کے لئے کافی ہو سکتا ہے
مگر خدا کو ایک ماننے اور ایک جاننے کا معیار بھی تو کچھ ہونا چاہیئے۔ ورنہ یوں تو ہر شخص، زبان
سے یہ الفاظ ادا کر سکتا ہے۔ وہ معیار حسبِ ذیل ہے جس پر قائل کو پورا اترنا چاہیئے۔

تفریق سے اجتناب (ا) اہلِ توحید کے لئے فرض ہے کہ وہ تفریق کو توحید کی ضد سمجھ کر
اس سے قولاً و فعلاً اجتناب کلی لازم سمجھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ
کا حکم ہے:۔ لَا تَفَرَّقُوا

مساوات (ب) اہلِ توحید کے لئے فرض ہے کہ وہ تمام بنی نوعِ انسان کو بالعموم اور تمام
مسلمانوں کو بالخصوص خدا کی مخلوق ہونے میں اپنے برابر سمجھیں، اور ان سے خدا
کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق سلوک کریں۔

اتحاد و تنظیم (ج) اہلِ توحید کے لئے فرض ہے کہ وہ باہمدگر متحد، متفق اور منظم ہوں اور
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کی تعمیل کو اپنا نصب العین یقین
کریں اس پر نظامِ اجتماعی کا دار و مدار ہے۔ ہر ایسی فرقہ بندی، صوبہ پرستی اور گروہ سازی
جو اسلام کے اس اصولِ نظامِ اجتماعی کے منافی ہوگی، منافیِ توحید ہوگی۔

۲ التوحید
اقدم رکنٍ من ارکان الاسلام
کی مختصر تشریح

حکومتِ پاکستان نیک نیتی سے یہ باور کرتی ہے کہ
ہر مسلم خدا کی توحید پر ایمان رکھتا ہے، وہ خدا
کو ایک مانتا ہے۔ ایک جانتا ہے۔ رہا یہ امر کہ خدا
کو کس طرح ایک مانتا ہے اور کس اعتبار سے ایک جانتا ہے، حکومتِ پاکستان اس باب میں

مداخلت ضروری نہیں سمجھتی خصوصاً جب کہ علمائے دین اور علماء ربانیین اس باب میں مشارب مسالک کے لحاظ سے مختلف ہیں اور ہر مسلم اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کسی نہ کسی مسلک و مشرب سے متمسّک ہے

ایسی صورت میں کسی مسئلہ کی تحقیقِ علمی کو زیر بحث لانا مقصود نہیں۔ بلکہ حکومت پاکستان اہلِ توحید کے مختلف مکاتبِ خیال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسلم عوام سے عموماً اور خواص علماء سے بالخصوص متوقع ہے کہ وہ پاکستان کو ایک باغ خیال کریں جس میں مختلف قسم کے درخت ہیں طرح طرح کے پودے ہیں۔ بھانت بھانت کے پھل پھول ہیں۔ ہر پھول رنگ میں گوناگوں ہے۔ ہر پھل ذائقہ اور تاثیر میں مختلف ہے اس رنگینی اور گوناگونی ہی سے اس باغ کی زینت ہے۔ اگر آپ کو کوئی ایک رنگ پسند ہے، یا کچھ خاص پھل پھول پسند ہیں تو اس کا آپ کو حق حاصل ہے۔ مگر یہ ظلم ہوگا کہ اس باغ میں کوئی اور رنگ دیکھنا ہی پسند نہ کریں یا جو پھل پھول آپکو پسند نہیں ہیں ان کا وجود ہی یک قلم ختم کرنا چاہیں یہ کام باغبانِ حقیقی کا ہے۔

جہاں دار داند جہاں داشتن یکے را بریدن یکے کاشتن

تمام کائنات اُسی باغبانِ حقیقی کا لگایا ہوا ایک باغ ہے جو اپنی گوناگونی اور رنگارنگی کے اعتبار سے بے مثل ہے قدرت کی جامعیت اور کلیّت اشکالِ مختلفہ الوانِ متنوّعہ اور اقسام متضادہ سے نمایاں ہے اس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ یہی توحید ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدِلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

حکومتِ پاکستان چاہتی ہے کہ اس باغ میں ہر قسم کے پھول کھلیں، ہر قسم کے پودے لگیں اور پھلیں پھولیں، پروان چڑھیں۔ ہم اس باغ سے نہال ہوں، ہماری آنکھیں اس کی شادابی سے تر و تازہ ہوں۔ لیکن وہ گھاس جو اس باغ کی نشو و نما میں مانع ہوگی، ہمیں اس کا ستھراؤ کرنا ہوگا وہ گھاس جو ریاض توحید کی نشو و نما میں مانع ہو سکتی ہے۔ صرف تفرقہ ہے۔ حکومتِ پاکستان اس تفریق باہمی کو ندا کے الفاظ میں لا تفرقوا کہہ کر ممنوع قطعی ہونے کا اعلان کرتی ہے اور اس کے استیصال کا مکمل تہیہ کر چکی ہے۔

دفعہ ۲ میں ہر مسلم کو فوجہت بتا گیا ہے، یہ محض افہام و تفہیم کی غرض سے ہے۔ ورنہ حقیقتاً

عبادات و معاملات لازم و ملزوم ہیں اس کی تشریح اس طور پر کی جاسکتی ہے کہ
جب مُسلم خدا کے بندوں کے ساتھ خدا کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خدا ترسی اور احتیاط کے ساتھ معاملات کو انجام دیتا ہے تو وہ معاملات بھی عبادت کے مثمر اور منتج ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جب کوئی مسلم عبادات کو خدا کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خدا ترسی اور احتیاط کے ساتھ انجام دیگا۔ تو وہ عبادات بھی معاملات کی صفائی اور صحت کو مستلزم و متضمن ہوں گی۔
(الف) مثلاً توحید، جو شخص قائل توحید ہے۔ میدان عمل میں ضروری ہے کہ وہ تفریق پر مائل نہ ہو اس طرز عمل سے وحدتِ قومی کا وہ نظام صورت پذیر ہوگا جس میں ہر فرد کو مساوی حقوق و مدارج حاصل ہوں گے۔ یہ حقوق و مدارج کی مساوات، باہمی اتحاد و تنظیم کا باعث ہوگی پس حکومتِ پاکستان تبلیغ توحید اور حفظِ توحید کو قانون کا درجہ دے کر اس کو فرض اولیں قرار دیتی ہے۔
(ب) "نماز" افضل الطاعات ہے۔ مگر جہاں اس کی ایک جہت معراج المومنین ہے، اور توجہ الی اللہ سے متعلق ہے۔ دوسری جہت 'اِنَّ الصَّلوٰۃَ تنھیٰ عن الفحشاءِ والمنکر' ہے بے حیائی اور منکرات جس شخص میں موجود ہوں، اس سے معاملات میں امیدِ خیر کب صحیح ہوگی۔ نماز کا بے حیائی اور منکرات سے مانع ہونا، نظامِ اجتماعی کے حق میں کس قدر مفید ہو سکتا ہے؟ پس حکومت پاکستان اقامتِ صلوٰۃ کو قانونی طور پر فرض قرار دیتی ہے۔
(ج) الزکوٰۃ۔ مزدور اور سرمایہ داری کی جنگ جو اس وقت عالمگیر ہو چکی ہے اور دنیا جس معاشی نظام کی تلاش میں ہے لینن اور مارکس کے یہاں تلاش کر رہی ہے۔ لینن اور مارکس کے بتلائے ہوئے طریقوں سے یہ تو ممکن ہے کہ موجودہ سرمایہ داری نظام تہ و بالا ہو جائے مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ مزدور، سرمایہ داروں کی جگہ پر پہنچ کر بجائے خود سرمایہ دار نہ بن جائیں گے۔ کمیونزم ابھی ابتدائی منازل میں تجربات اور مشاہدات کی دنیا میں قرینِ عقل نہیں ہے کہ تمام بنی نوع انسان دولت کی تقسیم میں مساوی حصّہ پا سکیں گے، جب کہ وہ اپنے قویٰ، اپنی استعداد، اور اپنی صلاحیت کے اعتبار سے فطرتاً مساوی نہیں ہیں۔ کمیونزم کی کامیابی صرف اسی صورت متصور ہے کہ وہ مساوی استعداد اور یکساں صلاحیت کی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہو۔

یہ ناممکن ہے۔ اگر صاحب نصاب (سرمایہ دار) اس فریضہ کو قرار واقعی ادا کریں تو غیر مستطیع افراد قوم کی حالت سدھارنے میں عظیم الشان کامیابی ہو سکتی ہے۔ پس تحصیل زکات کے لئے محصل مقرر کئے جائیں۔ بیت المال قائم کیا جائے۔ زر زکوٰۃ کی آمد و خرچ کے لئے ضروری قواعد و ضوابط مرتب کئے جائیں گے۔ ان اغراض کے لئے ایک جداگانہ ادارہ قائم کیا جائے گا۔ جو ان مقاصد کو بروئے کار لائے گا۔

(د) "الحج"۔ "وللناس حج البیت" بشرط استطاعت تعمیل حکم ربی ہے۔ لیکن اس کی دوسری جہت، وہی "عالمی نظام اجتماعی" کی نگہداشت ہے۔ وہ افراد جو مختلف الوان، مختلف اقوام اور مختلف زبانوں کے اور مختلف ملکوں کے ہیں، ان میں وحدت عمومی اور عالمگیر مرکزیت پیدا کرنا بھی ضمناً حج میں شامل ہو گیا

پس حکومت اس فرض کی ادائیگی پر احتساب قائم کرے گی۔

(ہ) "روزہ" ترک شہوات اور کسر نفسی اور قوئ ملکیہ کی بیداری کا باعث ہے تاکہ طاعات میں مشغولی اور انہماک زیادہ میسر آئے۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ شخص جس پر روزے کے فوائد مرتب ہو چکے ہوں، وہ "نظام اجتماعی" کے لئے کتنا صالح فرد ہوگا۔ مریض و مسافر کے علاوہ کسی مسلم کو اجازت نہیں ہے کہ وہ جب چاہے۔ روزے پورے کر دے، سب کے ساتھ ماہ رمضان میں روزے رکھنا ہوں گے۔ سب کے ساتھ تراویح پڑھنا ہوں گی۔ سحر و افطار کے اوقات میں سب کے ساتھ موافقت پیدا کرنی ہوگی ——— اس سے جو ملکوتی ماحول پیدا ہوتا ہے، وہ مشاہدہ ہے۔ پھر روزہ کا مطلب خواہش کو توڑنا ہے۔ نفسانی خواہشیں جب مغلوب ہو جائیں گی تو معاملات میں حق شناسی اور خدا ترسی کا کس قدر التزام ہوگا۔ بھوک اور پیاس کے شدائد سے واقف ہونے کے بعد غرباء، مساکین اور محتاجوں کی کیفیات کا صحیح اندازہ کس قدر آسان ہوگا۔ پس حکومت اس فرض کی ادائیگی کا التزام اور احتساب قائم کرے گی۔

غرض کہ ہر طاعت کا مقصد اور ہر عبادت کی علت غائی، خدا شناسی و خدا ترسی کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو یہ ہے کہ عبادت کرنیوالا، تطہیر خیال، تزکیۂ قلب اور تصفیہ باطن حاصل کرے دوسری طرف اس عبادت کرنیوالے کے صالح اور نیک ہونے سے "نظام اجتماعی" کو تقویت پہنچے اور معاملات خود بخود صحیح صحیح حدوں میں انجام پانے لگیں"۔ اور اس طرح ہر مسلم کا روئے توجہ

تمام عبادات اور تمام معاملات میں خدا کی طرف ہو۔''

استلزام عبادات و معاملات اس لئے کہا جائیگا کہ عبادتِ الٰہیہ کے ثمرات میں بندگانِ خدا سے حسنِ معاملت، حسنِ سلوک کو مستلزم ہیں اور بندگانِ خدا سے معاملت میں خوشنودی اور رضا جوئی متضمن ہے۔

اس استلزام کا نتیجہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر اس شخص کے لئے جو اعتقادی طور پر مسلم ہے قول و فعل میں یکجہتی اور ہم آہنگی لازم آئیگی اور عبادات و اعتقادات میں یہ نہ ہوگا کہ مسلمان جانیں اور ان کا خدا جانے یا نیتوں کا اور دلوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے کیونکہ انسانی افعال نیتوں اور قلبی حالات کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو خود روی اور خود رائی کے بجائے خدا اور رسولؐ کے احکام پر چلنا ہوگا اور حکومتِ الٰہیہ کے سامنے وہ اپنے اقوال و افعال کے لئے موقفِ احتساب میں ہوں گے۔

مخلوق

مخلوق ہونے میں تمام بنی نوعِ انسان مساوی ہیں۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم

دفعہ ۳:- ماں باپ ہوں یا عزیز و اقارب، دوست ہوں یا دشمن، سب خدا کی مخلوق ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ حدودِ شرعیہ میں عدل و انصاف کیا جائے دوستی یا دشمنی حدودِ متعینہ سے تجاوز کا باعث نہ ہو

(الف) تَعَلُّقُ فِی مَا بَیْنَ مُسْلِم:- ہر وہ شخص جو بنیادی عقائد مصرحہ دفعہ ۲ ضمن (ل) پر ایمان رکھتا ہے، وہ مذہباً مسلم کہلائیگا۔ تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی امر ثابت نہ ہو خواہ وہ مشرباً سنی، شیعہ، یا حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی وغیرہم اسلام کے کسی فرقے سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ هُوَ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْن

تشریح ہر مسلم کا فرضِ حقیقی ہے کہ وہ اپنا شرفِ اولیں خود کو مسلم کہنے اور مسلم کہلانے میں اعتقاد کرے بالفاظِ دیگر ہر مسلم بلحاظ مذہب سب سے پہلے مسلم ہے اس کے

بعدا باعتبارِ مشرب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی یا شیعہ، سنی یا قادری، چشتی (وغیرہ) یا بحیثیت ذات پات شیخ، سید، مغل، پٹھان (وغیرہ) یا باعتبارِ منصب امیر، وزیر (وغیرہ) کچھ اور ہے

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ

(المومنون)

اس لیئے کوئی مسلم مجاز نہ ہو گا کہ مشارب و مناصب و مکاسب دنیوی کی انسانی اور تعارفی نسبتوں کو جن میں بظاہر غیریت اور تفریق موہوم ہوتی ہے حقیقتاً غیریت اور تفریق سے موسوم کرے بلکہ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ ان ظاہری تعارفی نسبتوں کو اس حکم کے ماتحت جس میں فرمایا گیا ہے۔ (وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا) مختلف طبقاتِ عوام میں ایک دوسرے سے متمیز و متعارف ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ان نسبتوں کو مسلم ہونے کی نسبت میں محکوم و مغلوب باور کرے۔

وَ لاتموتن الاوانتم مسلمونؕ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحینط

ملت ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا (القرآن)

لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ واتو الزکوٰۃ واعتصموا باللہ ط

ھو مولیکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر (الحج ۱۷)

اس لیئے ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اپنے کسی قول و فعل سے کسی مسلم کو ایذا نہ پہنچائے

(اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ)

دفعہ ۳ (الف) اَلْفِرَقُ :- حکومت پاکستان کسی فرقے کے مزعومات پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی مگر شرط یہ ہے کہ :-

اوّلاً وہ مزعومات خارج میں فرقہ وارانہ منافرت، فرقہ وارانہ مناقشت، فرقہ وارانہ تعصب کا باعث نہ ہوں۔

ثانیاً، وہ مزعومات قولاً یا فعلاً، حرکتاً یا سکوناً، ظاہراً یا باطناً، اشارۃً یا کنایتہً،

دلالتہً یا عبارتہً، صراحتاً یا معناً، "مسلم نظامِ اجتماعی"، "مسلم وحدتِ قومی" پر کسی اعتبار
سے کسی نقطۂ پر مخالف اثرانداز نہ ہوں۔
ثالثاً، وہ مزعومات کسی حالت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد مصرحہ دفعہ ۲۔ ضمن
ا و ب کے مغائر و منافی نہ ہوں۔

(ب) تعلق فیما بین مسلم کی دوسری جہت، حقوق العباد ہے۔ بندوں کے وہ حقوق جو ہر مسلم
پر خدا کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔ ان کی ادائیگی اُن ہی شرائط کے ساتھ جو شرع شریف
میں معیّن ہیں۔
اگرچہ ایک بڑی حد تک ان حقوق کی ادائیگی کا تعلق ہر مسلم کے نجی حالات اور خانگی معاملات سے
وابستہ ہے، تاہم اکثر حالات میں، ان حقوق کی عدم ادائیگی، اسلام کے نظام مجلسی اور وحدتِ
قومی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس لئے حکومت پاکستان اگرچہ مسلمانوں کی گھریلو زندگی کے معاملات
میں کسی قسم کی دست اندازی کا ارادہ نہیں رکھتی، مگر جس نقطہ پر وہ گھریلو زندگی کے معاملات
اسلامی نظام مجلسی اور وحدتِ قومی پر مخالفانہ اثر انداز ہو سکتے ہیں، مناسب پابندیاں لگا
سکتی ہے۔

دفعہ ۵ تعلق فی ما بین مسلم و غیر مسلم

جیسا کہ دفعہ ۲ ضمن ب میں بتایا جا چکا ہے کہ مخلوق ہونے میں مسلم غیر مسلم سب برابر
ہیں۔ حکومت پاکستان یہ امر واضح کر دینا چاہتی ہے کہ یہ حکومت، حکومتِ الٰہیہ ہے اور ہر مسلم یہ جانتا ہے
کہ اللہ رب العالمین ہے محض رب المسلمین ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے پیغمبر بھی رحمۃ للعالمین
ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ مسلم جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے خیالات میں اتنی وسعت
اور ہمہ گیری نہ رکھتے ہوں کہ غیر مسلم افراد کو بھی رب العالمین کا مربوب نہ سمجھیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ
غیر مسلم اشخاص کو بندگانِ خدا نہ سمجھا جائے۔ خواہ وہ منکرینِ خدا ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر اسلامی
نقطۂ نظر سے وہ سب خدا ہی کے بندے ہیں۔ اس لئے طے کیا جاتا ہے کہ

اولاً۔ ہر مسلم پر ان غیر مسلم اشخاص کی جان و مال کی حفاظت لازم ہے، جو پاکستان میں آباد ہیں۔
ثانیاً۔ وہ اپنے مراسم مذہبی کی ادائیگی میں آزاد ہوں گے۔
ثالثاً۔ تمام معاملات میں ان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے گا۔
رابعاً۔ پاکستان کے شہری ہونے کے لحاظ سے ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں ۔۔۔ مگر شرط یہ ہے کہ :-

(۱) وہ ہر پاکستانی کو اپنا وطنی بھائی سمجھیں، پاکستان کو اپنا وطن سمجھ کر اپنے مخلصانہ اور وفادارانہ طرزِ عمل سے ان مراعات اور حقوق کا استفادہ کریں۔ یہ خود ان کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو مشتبہ اور مشکوک حالات میں مبتلا نہ ہونے دیں۔
(۲) پاکستان کے خلاف، جاسوسی، فتنہ انگیزی، سازش، نقصان رسانی، بدگوئی، بداندیشی، ناقابلِ معافی جرائم ہوں گے۔
(۳) مذہب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی معاندانہ یا مفسدانہ یا توہین آمیز تجاویز، تحریراً تقریراً، تصاویر، نقوش مرتسمہ، اشارۃً اور کنایۃً بھی لائق تعزیر جرم ہوں گے۔

بظاہر منافق اور مسلم میں مابہ الامتیاز کوئی شے نہیں ہے۔ وہ توحید و رسالت کا زبان سے اقرار عام مسلمانوں کی طرح کرتا ہے۔ دکھانے کو نماز بھی ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ حج کرتا ہے روزے رکھتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ منافق ہے کیونکہ یہ سب کچھ دکھاوا اور محض ظاہری چیز ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔
اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ه اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء رکوع ۱۷)

(ترجمہ) :- منافق وہ ہیں وہ دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔ جب وہ کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں جی ہارے لوگوں کو دکھاوے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم۔ ادھر میں لٹکے دونوں کے بیچ میں، نہ اُن کی طرف اور نہ اِن کی طرف اور جس کو اللہ بھٹکا دے اس کو اپنے لئے کہیں راہ نہیں ملتی اے ایمان والو! کافروں سے دوستی اختیار نہ کرو مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا کی حجت پورے طور پر تم پر عائد ہو۔ منافقین کا مقام دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہے اور ان کیلئے تجھے کوئی مددگار ہرگز نہیں ملیگا۔ مگر جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور خدا کو مضبوط پکڑا اور اللہ کے لئے خالص فرمانبردار ہوئے وہ ایمان والوں کیساتھ ہیں)

اَلَّا اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى
وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ه (التوبہ ۱۲)

(ترجمہ :- حقیقتاً وہ خدا اور رسول کے منکر ہیں اور وہ نہیں آتے نماز کو مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر بُرے جی سے)

منافقین اور کافرین قریب قریب ایک ہی زمرہ کے افراد ہیں۔ وہ دوزخ میں بھی ساتھ ساتھ ہی رکھے جائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (النساء ۱۶)

ترجمہ :- اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ اکٹھا کریگا۔

اللہ نے منافق اُن ہی کو فرمایا ہے جو ظاہری کلمہ پڑھتے ہیں اور کچے مسلمان ہیں، اسلام

میں ثابت قدم نہیں۔ خدا کی عبادت میں کاہلی کرتے ہیں، خدا کو کم یاد کرتے ہیں صدقات و خیرات میں بُرے دل سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ ساری قباحتیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ وہ حقیقتاً منکر توحید ہیں۔ توحید کے منکر ہونے کی وجہ سے ان کی عبادتیں اور انفاق سب ناقابل قبول ہو گئے اور وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے۔ اب اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں اور خدا کو مضبوط پکڑ لیں اور دین کو خلوص کے ساتھ قبول کریں تو اُن کا شمار مومنوں میں ہو سکتا ہے۔ نفاق و شقاق اور تفریق، یہ سب توحید کے منافی اور شرک و کفر کی علت غائی ہیں (اللھم احفظنا)

معلوم ہوا کہ زبانی اقرار دل سے برائے نام اللہ اللہ کرنے سے ہارے جی سے نمازیں ادا کرنے سے اور ایسی ہی دوسری اور باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ مسلمانوں پر۔ وَاعْتَصِمُوا باللہ، واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا پر ظاہراً و باطناً عمل پیرا ہو کر اسلامی نظام، نظامِ اجتماعی اور مسلم وحدتِ قومی میں منسلک ہونا ضروری فرض ہے۔ منافق اور مسلم میں فارق صرف یہی چیز ہے۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے، عبادت کرتا ہے، مگر سبیل المومنین (مسلمانوں کی راہ سے الگ ہو کر) کوئی الگ راستہ اختیار کرتا ہے، یا اسلام کے نظام اجتماعی سے منقطع ہو کر واعتصموا باللہ اور وَاعتصموا بحبل اللہ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کا کلمہ پڑھنا، نماز پڑھنا، عبادت کرنا سب دکھاوا ہی دکھاوا ہے، وہ حقیقتاً "منافق" ہے۔ خواہ صورتاً مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن ہی منافقین نے ایذائیں پہنچائیں، آپکو پریشان کیا آپ کے پاس وہ آتے تھے تو خود کو مسلمان باور کراتے تھے۔ کفار کے پاس جاتے تھے تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ جاسوسی کرتے تھے۔ فتنے اٹھاتے تھے مسلمانوں کے معاملات کو خراب کرنے کی فکر میں رہتے تھے عین جدال و قتال میں دغا دے جاتے تھے

(سورۃ توبہ - ۱۲۰۱۱)

آج بھی مسلمانوں میں منافقین کا ایک گروہ ہے جو مسلمانوں کو خدا کی رسّی سے کاٹ کر متفرق اور پریشان و پراگندہ کر دینا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو اس گروہ سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے

اور اپنی حکومت کو حکومتِ الٰہیہ بنانے میں وحدتِ قومی، مساواتِ شخصی، اتحاد و تنظیم سے کام لینا چاہیئے منافقین کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسا خطرہ ہے جس کا وہ صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پھر اس کے مضرات کا دفعیہ کس طرح ممکن ہے؟ یہ منافقین مسلمانوں میں ففتھ کالم ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کے بھیس میں مسلمانوں کو فنا کرنے کی فکر میں ہیں حکومت پاکستان کے لئے ترقی میں ہر قدم پر یہی لوگ سدِ راہ ہیں۔ بازاروں میں، دفتروں میں، حاکموں میں اہلکاروں میں، چپراسیوں میں خاص جلسوں میں، عام مجلسوں میں غرض کہ ہر دفتر میں ہر طبقہ میں ہر جگہ منافقین کی رسائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاروں میں سٹہ بازی، کم وزنی بلیک مارکٹ آمیزش اور دغا و فریب زوروں پر ہے، دفتروں میں فرض ناشناسی، غلط کاری، رشوت ستانی چل رہی ہے۔ سفارشیں مانی جاتی ہیں۔ خود غرضی، خویش پروری اقربا پروری، احباب نوازی، صوبہ پرستی چھائی ہوئی ہے۔ مساوات و انسانیت کی بجائے فرعونیت اور غرور و تکبر کار فرما ہے۔ اتباع اسلام کی بجائے انگریز کی غلط نقالی کو مایۂ ناز سمجھا جاتا ہے۔ جلسے جلوس کے مواقع پر عوام کو بھڑکا دینے والے نعرے اور الٹی سیدھی دھواں دھار تقریروں کو لیڈری اور قیادتِ قوم کی سند سمجھا جاتا ہے۔

ان قبائح کا استیصال ضروری ہے۔ ہر مسلمان یہی چاہتا ہے پھر ان قبائح کا مرتکب ہونے والا کون ہے۔؟ جب کہ پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو ظاہر ہے کہ ان قبائح کی تقسیم حصہ رسدی میں بھی مسلمانوں کا ہی حصہ زیادہ ملیگا۔

پھر کیا آپ ایسے مسلمانوں کو مسلمان کہیں گے جو زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے مسلم کُش طرزِ عمل سے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی رات دن بیخکنی کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ! یہ منافقین ہیں جو مسلمانوں کی صورت میں مسلمانوں کا خون چوس رہے ہیں جس طرح قرونِ اولیٰ میں ان کی شناخت اس وقت ہوئی جب جہاد کا حکم ہوا تو جی چرا گئے۔ جنگ میں شریک بھی ہوئے تو عین میدانِ کارزار میں کترا گئے۔ سب کو بزدل بنانے کی گھات میں رہے، بالکل اسی طرح پاکستان میں ان کی شناخت لازمی طور پر موجودہ دور میں بھی ہو سکتی ہے، کہ یہ مسلمانوں کیلئے ابتلاء اور شدائد کا دور ہے مسلمان موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ دشمن گھات میں لگا ہوا ہے۔ موقع کا منتظر ہے۔

حکومت ہنوز اپنے اندرونی انتظامات سے عہدہ برآ نہیں ہوئی ہے۔ وہ لاکھوں مہاجرین خانہ برباد کی آباد کاری پر متوجہ ہے۔ وہ داخلی نظم ونسق کی طرف متوجہ ہے مگر منافقین، حکومت سے صحیح معنوں میں تعاون نہیں کر رہے ہیں۔ اسکیمیں بنتی ہیں اور آگے نہیں چلتیں۔ حکومت کے مطمح نظر سے ان لوگوں کو بظاہر اتفاق ہے مگر بباطن نفاق ہے۔ وہ اپنی انفرادیت، وطنیت، عصبیت سے مفاد عامہ کو شدید ترین نقصان پہنچا رہے ہیں ایسی صورت میں حکومت خارجی اور بیرونی معاملات کی طرف پوری توجہ کس طرح صرف کر سکتی ہے؟ اندازہ کیجئے۔ اگر مسلمانوں نے "منافقین" کی ان بدعنوانیوں اور ریشہ دوانیوں کو یونہی جاری رہنے دیا اور تسامح اور سہل انگاری سے اس فتنے کا سد باب سب سے پہلے نہ کر سکے تو یقین کیجئے کہ پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ اور مسلمانوں کا نام حرفِ غلط کی طرح تاریخ عالم سے محو ہو جائیگا

اس لئے طے کیا جاتا ہے کہ :-

جو شخص جان بوجھ کر یا سوچ بچار کر کے امورِ ذیل کا مرتکب ہوگا تو کہا جائے گا کہ وہ منافق ہے اور وہ خلاف ورزی توجہد کا مرتکب ہوا ہے ——— اس جرم کی سزا کا تعین حکومت جو کریگی، وہ اس کو دی جائے گی۔ جلاوطنی بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔

(۱) باہمی تفریق :- مسلمانوں کے فرقوں میں سے سب کی یا کسی ایک کی یا ایک سے زیادہ فرقوں کی دل آزاری کی نیت سے الفاظ، اشارات، کنایات، عبارات یا نقوشِ مرئیہ یا تصاویر کے ذریعے مغائرانہ، معاندانہ اور مفسدانہ، فرقہ وارانہ خیالات اور جذبات کا اظہار یا ان کی نشر واشاعت جو منافی نظامِ اجتماعی ہو۔

(۲) باہمی منافرت :- مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی ایک یا سب کے یا ایک سے زیادہ فرقوں کے درمیان نفرت و عداوت اور بدخواہی کے جذبات پیدا کرنا، یا اُن جذبات کو برانگیختہ کرنا، جن سے باہمی نفرت، باہمی عداوت اور باہمی بدخواہی کے خیالات پیدا ہو سکتے ہوں

(۳۱) **تشکیلِ فرقہ سیاسی:۔** کسی ایسے سیاسی فرقے یا فرقوں کی تشکیل جن کی بنیاد سیاستِ دینی اور نظامِ اجتماعی اور وحدتِ قومی پر مبنی نہ ہو بلکہ غیریتِ باہمی اور تفرقہ پردازی اس کی علتِ غائی ہو۔

تشریح:۔

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ الخ

(الف) اس دفعہ میں سیاسی فرقوں یا کسی ایک سیاسی فرقہ کی تشکیل جو مذکور ہے اس کے مفہوم میں وہ تمام جماعتیں، گروپ، جتھے اور گروہ شامل ہیں (جو پہلے سے چلے آتے ہیں یا جدید الحدوث ہیں) جو ملک کی سیاست میں حصہ لیتے رہے ہوں یا آئندہ لیں مگر اُن کا نصب العین اور طریق کار پاکستانی نظامِ اجتماعی کے حق میں تعمیری ہونے کی بجائے تخریبی ہو اور وہ اپنی اس غرض کے حصول میں عام باشندگانِ پاکستان کے مابین بالخصوص غیریت اور تفریق پیدا کرنے کی سعی کریں

(ب) سندھی، غیر سندھی، پنجابی غیر پنجابی، سرحدی غیر سرحدی، بلوچی غیر بلوچی، بنگالی غیر بنگالی کی مکروہ سیاسی تفریق کی تحریک کا انسداد دفعہ ہذا کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے۔
یہ تفریق قطعاً مشرکانہ، مفسدانہ اور معاندانہ ہونے کے علاوہ صریحاً لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے منافی اور معارضِ توحید ہے۔

(ج) ہر ایسا فعل یا ترکِ فعل جو عام مسلمانوں میں بالعموم اور مہاجرین و غیر مہاجرین میں بالخصوص بھائی چارہ، مواسات، مساوات اور مواخات کا باعث ہونے کی بجائے غیریت اور تفریق کا باعث ہو۔

(د) حکام و عمالِ حکومت کے طرزِ عمل اور طریقِ کار پر اس نیت سے افواہیں پھیلانا یا بیجا نکتہ چینی کرنا کہ رائے عامہ اُن سے برگشتہ ہو جائے اور عوام و حکومت کے مابین بے اعتمادی اور عدمِ اخلاص کی فضا پیدا ہو کر، نظامِ حکومت میں اختلال واقع ہو۔

غدّاری

دفعہ۔ مفادِ عامّہ اعتمادِ عامّہ کی خلاف ورزی حکومت کے مقاصد کی عدم ادائیگی جو کوئی شخص خواہ حکومت کی طرف سے خواہ عوام کی طرف سے مفادِ عامّہ کا محافظ، یا اعتمادِ عامّہ کا محافظ، یا اعتمادِ عامّہ کا امین ہوتے ہوئے کسی ایسے فعل یا ترکِ فعل کا مجرم ہو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس مفادِ عامّہ یا اس اعتمادِ عامّہ کے خلاف منتج ہو یا جو کوئی شخص حکومتِ پاکستان کی مُبیّنہ اغراض و معینہ مقاصد کے حصول میں یا احکامِ مجریہ کی تعمیل میں بالواسطہ یا بلاواسطہ تعویق و تاخیر کا باعث ہو یا، اُن اغراضِ مبیّنہ، مقاصدِ معیّنہ اور احکامِ مجریہ کی تعمیل و نفاذ اُس شخص پر باعتبارِ ملازمِ حکومتِ پاکستان یا عام باشندۂ پاکستان فرض ہو اور وہ اُس فرض کی انجام دہی میں عمداً کوتاہی یا تساہل یا بے ضابطگی یا بددیانتی کا مرتکب ہو یا اُن اغراضِ مبیّنہ، مقاصدِ معینہ اور احکامِ مجریہ سے بظاہر اتفاق رکھتا ہو اور بباطن اُن سے روگردانی اور انحراف کی نیت رکھتا ہو، یا وہ ایسے حالات اور ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی کرے جو ان اغراض و مقاصد و احکام کی تعمیل و نفاذ میں ناسازگار اور مخالف ہوں

— تو کہا جائیگا کہ وہ شخص حکومتِ پاکستان کا غدّار ہے

مسلمانوں کا دشمن، منافق اور کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا عملاً مُنکر ہے

خواہ قولاً مُقر ہو اور اس کو وہ سزا دی جائے گی جو حکومت مقرر کرے گی

غلام ہیں مجھ سے غلام رحمۃ کا ہو
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جمہوریت

غیر مذہبی جمہوریت کی تشکیل پر تنقید

(۱) پارلیمنٹری سسٹم میں صرف وہی پارٹی حکومت بناتی ہے جس کو اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حکومت کے لئے صاحبانِ استعداد کی تلاش اپنی پارٹی کے اندر ہی محدود سمجھتی ہے خواہ اس پارٹی سے باہر اور حزبِ اختلاف کے اندر زیادہ بہتر اور زیادہ قابل افراد موجود کیوں نہ ہوں، مگر حزبِ اقتدار انہیں قبول نہیں کرتی، نہ کر سکتی ہے ـــــ اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ حزبِ اقتدار انتظامیہ اور عدلیہ اور مقننہ پر مشتمل حکومت کو گھٹیا اور کمتر درجے کے افراد سے چلاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس "سنہری اکثریت" کی حکومت میں ملک کی بہترین شخصیتیں اپنی استعدادوں کو بروئے کار نہیں لا سکتیں اور ملک کے بہترین دل و دماغ اس طرزِ حکومت سے مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

(۲) حزبِ مخالف اکثر حزبِ اقتدار سے اختلاف ظاہر کرتی ہے۔ یہ اختلاف بیشتر برائے اختلاف ہوتا ہے۔ برائے مفادِ عامہ نہیں ہوتا۔ بلکہ مفادِ عامہ بُری طرح مجروح ہوتا ہے، اور اُس کی جگہ پارٹی کا مفاد پیشِ نظر رہتا ہے۔

(۳) یہ اختلاف صرف آئین سازی تک ہی محدود نہیں رہتا، بلکہ سارے ملک میں افتراق اور پھوٹ ڈال دیتا ہے خصوصاً انتخابات کے زمانے میں تو یہ افتراق اور پھوٹ ایسے مناظر پیش کرتے ہیں جیسے ملک میں جنگ چھڑ گئی ہو۔ سول وار (CIVIL WAR) ہو رہی ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مجلسِ قانون سازی میں ہی پارٹی پھوٹ نہیں ڈالتی

بلکہ یہ پھوٹ سارے ملک میں پھیل جاتی ہے اور اس طرح متخاصم کیمپوں میں بٹ جاتی ہے اور یہ کیمپ مختلف علاقہ ہائے غیر کی طرح کام کرنے لگتے ہیں۔ جیسے ان میں سے ہر ایک ملک کو تقسیم کرکے وحدتِ ملکی وحدتِ قومی کی جگہ لے چکا ہو۔ اس طرح انتشار کو لائحہ عمل بنالیا جاتا ہے۔ اس افتراق کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر پارٹی دوسری پارٹی سے بدگمان ہوتی ہے اور مشتبہ ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے کی تجاویز کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ کسی مسئلہ پر بے لاگ تنقید و تبصرہ نہیں کرسکتے اور نہ کسی زیرِ بحث مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرسکتے ہیں۔ آزادیٔ خیال اور آزادیٔ رائے کو بہ حیثیتِ مجموعی کسی پارٹی میں بھی کوئی مقام نہیں ملتا۔ کیونکہ ہر پارٹی کے ضوابط ٹھوس اور نپے تلے، بندھے ٹکے ہوتے ہیں اور ان ضوابط کی پابندی پارٹی کا اولین فرض ہوتا ہے، غرضیکہ انتہائی تلخی اور انتہائی رشک و حسد کی فضا اس پارٹی بندی سے پیدا ہوتی ہے جو انتخابات کے بعد بھی مزید ترقی کرکے ملک کی اخلاقی و معاشرتی زندگی کو مفلوج کرکے بغض و کینہ، مخاصمت و منافرت پیدا کرتی ہے۔

(۴) پارٹی سسٹم اپنی ساخت کے اعتبار سے بڑی آسانی کے ساتھ چند چلتے پرزے اور سازشی افراد کے قبضے میں آجاتی ہے، جو اس پارٹی کے قائد بن جاتے ہیں اور بالآخر برسرِ اقتدار آکر پوری قوم پر مسلط ہوجاتے ہیں ان معنوں میں پارٹی کی حکومت دراصل چند افراد کی حکومت بن کر رہ جاتی ہے۔ اور جمہوریت کے قیام کا خواب شرمندۂ

(۵) ووٹ لینے کا شوق، برسرِ اقتدار پارٹی کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے جو لوگوں کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے میں اُن کی مدد کریں۔ اس سے قانون سازی کا اصل مدعا، جو عوام کے مفاد پر مبنی ہے، وہ پسِ پردہ چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ قانون سازی کا مطلب صرف حاشیہ گیری کا جال ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۶) تمام پارٹیاں، فعل یا ترکِ فعل کی مجرم ہیں۔ کیونکہ وہ عوام کی اخلاقی بنیادوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالتے ہیں اور حقیقت پر پردے ڈالتے ہیں اور اپنے غلط دعوے کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹے دلائل کو سچے دلائل کی طرح پیش کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ووٹ دینے والے عوام کی نادانی اور ناواقفیت کی سطح پر اپنی سیاست کا کھیل کھیلتے ہیں اور اس کھیل میں وہ عوام کو اکثر بیوقوف بنا کر کامیاب ہو جاتے ہیں —— اس طرح ووٹ دینے والے ہر قسم کے پروپاگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان نعروں کو جو کچھ بھی باور کرایا جاتا ہے، وہ غلط معانی کے سوائے کچھ بھی نہیں ہوتا اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اصول کی خلاف ورزی اور اس سے انحراف کے باوجود، وہ افراد عوام کے نمائندے منتخب ہو جاتے ہیں جو واقعی عوامی نمائندے نہیں ہوتے بلکہ رائے عامہ کی غلط نمائندگی کرنے والے ہوتے ہیں۔

اگر ملک کے سامنے کوئی غرض و غایت نہیں ہے تو ایسی صورت میں مختلف اغراض اور مختلف غایات اس ملک میں اور اس قوم میں پیدا ہوتی ہیں۔ ہر پارٹی کی ایک مخصوص غرض و غایت ہوتی ہے۔ جو دوسری پارٹی سے اس کو الگ تھلگ رکھتی ہے اس اختلاف سے ملک و قوم میں فکری اتحاد باقی نہیں رہتا بلکہ فکری انتشار عام ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی متعین ہو جاتی ہے کہ ملک و قوم کا کوئی متعین نصب العین نہیں۔ مگر جہاں ملک و قوم کی غرض و غایت متعین ہوتی ہے، وہاں کسی ایسی پارٹی کا قیام جو اس غرض و غایت کے خلاف سرگرم عمل ہو، ایک سنگین جرم کے سوا کچھ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا مثلاً پاکستان میں ہماری ملکی اور قومی غرض و غایت قطعی طور پر متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب و منظم کریں۔ اس قرارداد کے خلاف کسی پارٹی کا قیام ہماری ملکی و قومی مصلحتوں کے خلاف ہوگا اور اسی طرح کوئی تحریر و تقریر جو ہمارے اس مقصد سے معارض ہو، جرم ہوگی، لیکن فرض کیجئے کہ پاکستان میں مسلم اکثریت نہیں ہے بلکہ ہندو

پارسی، عیسائی، اچھوت، لامذہب افراد اکثریت میں ہیں؟ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ باہم مختلف ہوتے ہوئے بھی، اس مسئلے میں باہم متفق ہوں گے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم نہ ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ مسلم اقلیت کو تحفظ کے نام سے کچھ مراعات دے سکتے ہیں۔

(۷) بالکل یہی صورتِ حال اس وقت ہونی چاہیئے جب کہ پاکستان میں مسلم اکثریت ہے اور پاکستان اسلام کے نام پر ہی بنا ہے۔ ہم غیر مسلم کو تحفظ اور مراعات تو دے سکتے ہیں۔ مگر اُن کی آئیڈیالوجی اور عقائد و افکار کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتے ہمارے پاس خود اپنے عقائد و افکار ہیں اور اُن پر ہمیں فخر و ناز ہے اور اُن کی بنا پر ہم نے دنیا پر حکومت کی ہے اور عدلِ عمرانی کی روشن مثالیں صفحاتِ تاریخ میں ثبت کی ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم "اسلام اِزم" کو چھوڑ کر کسی اور "اِزم" کو قبول کریں؟ خواہ وہ "ازم" کوئی بھی ہو۔ ہم سوشلزم، کمیونزم، کیپٹیلزم، فاشزم، ہندو ازم کسی کے لئے بھی یہ نہیں کہتے کہ وہ بُرے ہیں۔ ہم تو اپنے "اِزم" کی بھلائی اور اچھائی پر یقین رکھتے ہیں، اس کا تجربہ رکھتے ہیں اور جب اُس بھلائی اور اچھائی کو ہم علی الاعلان بیان کرتے ہیں تو دوسرے "اِزموں" کو یہ بُرا نہیں لگنا چاہیئے اور نہ بُرا ماننا چاہیئے۔

موجودہ دورِ جمہوریت میں عوامی حکومت کا قیام اسی بنیاد پر استوار ہوتا ہے کہ اکثریت کی حکومت ہو اور اقلیت کا تحفظ ہو اور جو نمائندے منتخب ہوں وہ رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہوں۔ پس جو افراد، مسلم اکثریت کے نمائندے ہوں، اگر غیر مسلم عقائد و افکار کی نمائندگی کرنے لگیں تو وہ چند جرائم کے مرتکب ہوں گے۔

★ اوّل۔ انھوں نے رائے عامہ کے اعتماد کو مجروح کیا۔

★ دوم۔ جماعتی داب و آداب سے انحراف کیا

★ سوم۔ اپنے کردار اور سیرت میں منافقت (ہپوکریسی) کو ثابت کیا

★ چہارم - ایسی دوہری شخصیت جو کہے کچھ اور کرے کچھ، اسلام کے نظامِ مجلسی میں ایک خطرناک جرثومہ کی حیثیت رکھتی ہے جس سے معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہیئے۔

پاکستان کے تحفظ و سالمیت کے قوانین کی نظر میں ایسے افراد دار و گیر اور احتساب کے مستوجب ہوں گے۔

(۸) پارٹی تنگ خیالی کا مظہر ہوتی ہے - اس کے کارکن ممبران، جو عوام کے سامنے آتے ہیں، وہ تنگ خیالی کا جیتا جاگتا مرقع ہوتے ہیں - اس طرح وہ افراد جو سارے ملک اور ساری قوم کا اثاثہ ہوتے ہیں، وہ صرف ایک جماعت کی ملکیت بن کر رہ جاتے ہیں اور جو فائدے ان کے وجود سے پوری قوم کو پہنچنے چاہئیں، صرف کسی ایک پارٹی کو پہنچتے ہیں - یہ قوم کا نقصان عظیم ہے جو پارٹی سے لاحق ہوتا ہے کہ مفادِ عامہ کی بجائے پارٹی کا مفاد ہی پارٹی کے پیش نظر ہوتا ہے (بقول گولڈ اسمتھ)

اس طرح وہ انسان جو تمام آفاق کے لئے ہے تنگ خیالی سے چند افراد کا ہو کر رہ جاتا ہے اور صرف اپنی پارٹی کو وہ تمام سرمایۂ فکر و نظر دے دیتا ہے جو تمام نوعِ انسانی کو دینے کے لئے اُسے دیا گیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ پارٹی کے ممبر محدود نقطۂ نظر رکھتے ہیں - وہ تمام شہریوں کے لئے کچھ نہیں سوچتے، کچھ نہیں کرتے - اس لئے ان کے فکر و عمل کا دائرہ کلّی نہیں بلکہ ہمیشہ جزئی ہوتا ہے۔

(۹) برسرِ اقتدار عموماً وہی پارٹی آتی ہے جس کے پروگرام میں عوام سے یہ وعدہ کیا جائے کہ تمہاری ضروریاتِ زندگی پوری کی جائیں گی پھر ضروریاتِ زندگی میں جو چیزیں ان کو بتائی جاتی ہیں وہ خالص مادی چیزیں بتائی جاتی ہیں مثلاً روٹی - کپڑا - مکان، فارغ البالی اور ان چیزوں میں سب کو مساوی حصّہ دلانے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

تاکہ یہ پروگرام مساوی طور پر عوام کے لئے قابل قبول ہو ۔۔ مگر عوام کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس معاشی مساوات میں مساوی محنت کا بھی التزام ہوگا بلکہ التزام نہیں جبر ۔۔"

اور پھر یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ یہ پروگرام اپنی غایت کے لحاظ سے خالص مادی اور لادینی ہے اس میں روحانی اور اخلاقی اقدار کو حذف کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ اقدار اس پروگرام کو کامیاب نہ ہونے دینگی جو خالص مادی اور لادینی نظریات پر مبنی ہو۔ اسلامی ممالک کو دیکھا جائے تو مسلمان وہ قوم ہے جو تن من دھن سے اسلام کے نام پر قربان ہے اُن کے سامنے کربلا کی مثال ہے اسلام کی عزت و ناموس پر بھوکے پیاسے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے مسلمان کس طرح قربان ہو جاتے ہیں، اگر بھوک پیاس گھر بار ہی مومن کا مقصد حیات ہوتا تو کربلا کی تاریخ پر مسلمان کس طرح فخر کر سکتے تھے؟

اس لئے مسلمانوں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ ان کو دنیاوی لالچ میں پھانس کر دین سے دور کیا جائے یہ تو بندگان خدا کو بندگان شکم یا بندگان سیم و زر بنایا جارہا ہے ۔ اسلامی ممالک میں یہ فریب کاری ہے جو لادینی سیاست انجام دے رہی ہے معاشی مساوات کا پروگرام دراصل اسلامی مساوات میں مندرج ہے۔ اسلام اصل ہے اور ہر قسم کی مساوات اس اصل پر مبنی ہے اسلام سے دور ہو کر مساوات سے قریب ہونے کا پروگرام سوشلزم ہے یا کمیونزم ہے وہ بہر صورت مادی اور بے دینی تصورات کے ساتھ ہی آتا ہے جہاں کہیں بھی آئے پاکستان میں بھی وہ آئیگا تو اپنی روایات کے ساتھ ہی آئیگا، اور روایات اسلامی کو اپنے طوفان میں بہالے جائیگا ۔۔

اگر یہ بات منظور ہے تو خیر، ورنہ یہ پروگرام من حیث المومن نہ تو ماننا چاہیئے نہ مسلمانوں پر پیش کیا جانا چاہیئے نہ اس پر مسلمانوں کو اکسا کر ان کو غیر شعوری طور پر

اسلام سے دور لے جانا چاہیئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ لادینی پروگرام پیش کرنے والے یہ ادعا کریں کہ وہ مسلمان ہیں۔ یہ ادعا تلبیس سے کم نہیں، ان کے لئے زیادہ سچی اور صحیح بات یہ ہوگی کہ وہ اسلام سے انحراف کرنے کا اعلان کرنے کے بعد سوشلزم، کمیونزم یا فاشزم کا پروگرام پیش کریں، اور اس کا دائرہ عمل غیر مسلم افراد یا مرتدین تک محدود رکھیں۔ ایسی صورت میں کہ اسلام پارٹی بندیوں کی اجازت نہیں دیتا اور لادینی جمہوریت میں جو پارٹیاں انتخاب لڑتی ہیں اس کے مفاسد زیادہ اور فوائد کم ہیں۔

پھر وہ کونسی صورت ہے جو انتخاب کی لعنتوں سے پاک ہو پارٹی بازی سے پاک ہو اور انتخاب کی غرض بھی اس سے پوری ہو جائے؟

میرے نزدیک قیام شوریٰ سے وہ غایت پوری ہو سکتی ہے، جو پارٹیوں کے الیکشن سے وابستہ ہے
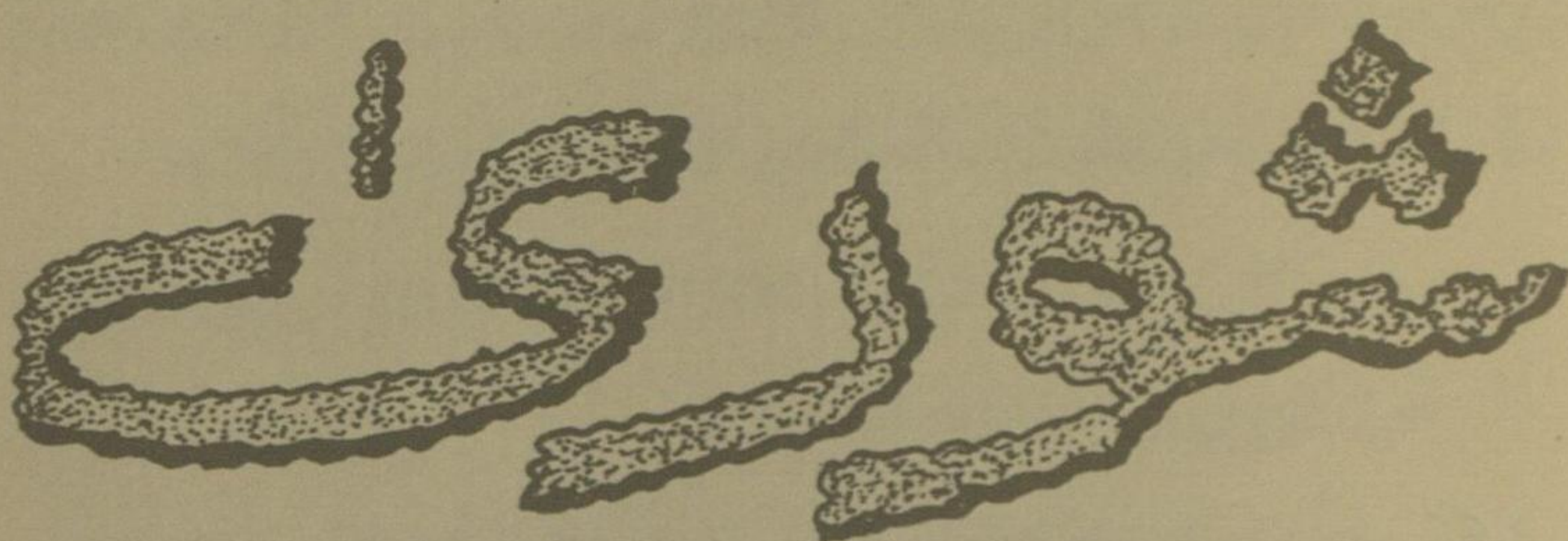
شوریٰ

شوریٰ کی اہمیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمام عالم کے لئے بجائے خود شمع ہدایت ہے اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے مطابق خاص مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور عام مسلمانوں کیلئے بالعموم حضور کی حیاتِ طیبہ کی ہر جہت اسوۂ حسنہ کا حکم رکھتی ہے۔ آپ کا ارشاد، ارشادِ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امر متنازعہ فیہ کو آپکی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا اور آپ کے فیصلے کو بطیب خاطر قبول کرنا (اور پھر کسی قسم کی تنگی اپنے جی میں نہ پانا) معیارِ ایمان قرار دیا گیا۔ انفصالِ قضایا، اور تصفیۂ مقدمات و معاملات اور تدارکِ مہمات میں آپ کے اختیارات قطعی اور آخری ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود آپکو خداوند تعالےٰ نے امر فرمایا۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شوریٰ (یعنی مشورتِ باہمی) دستوریہ اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو قابلِ تعریف، شانِ اسلامی کی مظہر اور مقتضیاتِ دین کا رکنِ رکین ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ میں

وارد ہوا ہے والذین استجابوا لربہم واقاموا الصلوٰۃ وامرہم شوریٰ بینہم ومما رزقنہم ینفقون ٹ ۔ "

غرضیکہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ متعدد کثیرہ میں شوریٰ کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور اس کی طرف دعوت دی گئی ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا۔ آپکے بعد آپکے جانشینوں نے بھی ہمیشہ شوریٰ کی اہمیت کو ملحوظ رکھا۔

حکومت پاکستان کا دستور یہ جمہوری اسلامی جو نظام نیابی پر مبنی ہے، بغیر مجلس شوریٰ کے صورت پذیر نہیں ہوسکتا، اس لئے مجلس شوریٰ کی ترتیب و تشکیل قواعد مندرجہ ذیل کے ماتحت عمل میں لائی جائیگی

اولاً۔ مجلس شوریٰ کے افراد کی تعداد موجودہ تعداد ممبران اسمبلی کے مطابق ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ :۔

(۱) موجودہ اسمبلی کے ارکان وہ استاد (QUALIFICATIONS) رکھتے ہوں جو مجلس شوریٰ کے ہر فرد کے لئے خدا نے ضروری قراردی ہیں

ہر / ے اور

وفاق میں شوریٰ کی تنظیم ہوگی۔ تعداد افراد پر کوئی حد بندی نہیں البتہ استعداد افراد کی حد بندی ہے۔

(الف) فما اوتیتم من شیئ فمتاع الحیوٰۃ الدنیا وما عند اللہ خیر و ابقیٰ للذین آمنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون

تم کو جو کچھ جس چیز میں سے (مال، دولت، عہدے، مناصب وغیرہ) ———— ملا ہے وہ دنیوی زندگی کا سرمایہ ہے، اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ اس سے بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

[1] وہ حیات دنیوی کے سرمایہ مال، دولت، عہدہ، منصب وغیرہ کو اپنا نصب العین اور مقصد زندگی نہ سمجھتے ہوں بلکہ دور اندیش آخرت بیں اور نعائم اخروی کے طالب ہوں۔ ایمان باللہ [2] اور توکل علی اللہ کی صفات سے متصف ہوں

(ب) والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون ۝ — جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں

(ج) والذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون (الشوریٰ رکوع ۴) — اور جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی اور ان کا کام باہمی مشاورت سے ہوتا ہے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

ثانیاً۔ موجودہ مجلس دستور ساز (اسمبلی) جو ان اسناد سے فی الحال معرا ہوں۔ ان کے لئے حسب ذیل صورتیں ممکن ہیں:۔

(الف) وہ فوراً توبہ و استغفار کے بعد ان صفات کے حصول کی طرف متوجہ ہوں۔ ایمان باللہ، توکل علی اللہ اعتقادی صفات ہیں۔ ان کے حصول اور صحت کا معیار کبیرہ گناہوں سے بچنا، فواحش سے بچنا، غصہ میں ضبط اور عفو سے کام لینا، اللہ کا حکم ماننا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا۔ یہ امور ہیں ان پر عملدر آمد فوری شروع کر دیں۔ ایک مناسب مہلت ان کو، ان کی اصلاح کی جانچ کے لئے دی جائے گی۔

(ب) اگر وہ تائب نہ ہوں اور اصلاح کی طرف مائل نہ ہوں تو ان کے علیحدہ کیا جائے گا بحکم :۔ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین اور اس طرح خالی شدہ نشستیں دوسرے لوگوں سے پر کی جائیں گی جو ان صفات و اسناد کے حامل ہوں

ثالثاً۔ مجلس شوریٰ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو صحیح نمائندے (باعتبار نمائندگی عوام بھی) ہوں

۱۔ یہ تالیف ۱۹۴۸ء ۱۹۴۹ء کی ہے

ان شرائط میں سے کسی شرط کے علوم الفایہ انتخاب جدید عمل میں آئیگا۔ شرائط انتخاب تابع شرائط اسناد مندرجہ بالا ہوں گی اور عوام کو تاریخ انتخاب، کیفیت انتخاب اور شرائط انتخاب کے ساتھ ہی ساتھ اچھی طرح سمجھا جائے گا کہ یہ رائے خدا اور رسول کی طرف سے تمہارا مذہبی فریضہ اور ایک مقدس امانت ہے۔ اس کا استعمال بیجا اور غلط نہ کیا جائے۔ ورنہ ان کا حق رائے دہندگی باقی نہ رہیگا اور ان سے سخت باز پرس ہوگی، ہر عاقل و بالغ مسلم کو حق رائے دہندگی حاصل ہے۔ یہ رائے دہندگی ادائے شہادت متصور ہوگی۔

رابعاً۔ شوریٰ کی تشکیل کیونکر ہو؟ تشکیل کے بعد وہ کس طرح کارگزار ہو؟ کتنے افراد پر مشتمل ہو؟ چھوٹی چھوٹی مجالس شوریٰ ایک مجلس کلیہ شورائیہ سے کس طرح وابستہ ہوں؟ انتخاب عہدیداران شوریٰ کیونکر ہو وہ اپنا صدر کس طرح منتخب کریں؟ حدود اختیارات کا تعین؟ مسئولیت امیر کی صورت، معزولی یا برطرفی کے حق کا استعمال کب اور کیونکر؟ یہ تمام تفصیلات قرآن مجید نے اس لئے بیان نہیں کیں کہ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ امت ان تفصیلات کو اپنی مصلحتوں کے مطابق متعین کر سکتی ہے۔ اور متعین شدہ صورتوں کو ادل بدل کر سکتی ہے یہ امت کے دائرۂ اختیار کی چیز ہے۔ صرف یہ حقیقت ناقابلِ تغیر ہے کہ اسلامی حکومت تابع شوریٰ ہوگی،

میں جو سفارشات پیش کر رہا ہوں وہ صرف اس غرض سے کہ بحث و تمحیص حذف و اضافہ کے بعد ان کو آخری شکل اس طور پر دی جائے کہ وہ مجوزۂ عوام و خواص سمجھی جائیں۔ حکومتِ اسلامی کے نظام میں داخل ہونے کا راستہ ہر ملک ہر قوم اور ہر فرد کے لئے یکساں طور پر کھلا ہوا ہے یہ نظام تمام بنی نوع انسان کے لئے نظام اجتماعی ہے جو تمام انسانوں میں اُمّتِ واحدہ کہہ کر وحدت نوعی قائم کرتا ہے اور عدل و مساوات کا ضامن ہے اس کا مقصد نوعِ انسان کو ایک ہمیشہ رہنے والے "اقتدار اعلیٰ" کے ماتحت رکھ کر ہر انسانی اقتدار سے آزاد کرنا ہے۔ اس لئے اس نظام سے وابستگی میں پاکستانی حدود ارضی کی قید مانع نہ ہوں گی۔ ہر ملک ہر قوم ہر فرد جو حدود پاکستان سے باہر ہے۔ وہ حکومتِ الٰہیہ میں حصہ دار ہو سکتا ہے، اسی طرح وہ افراد جو حدود پاکستان میں قیام پذیر

ہیں نہ چاہیں تو وہ حکومتِ الٰہیہ میں حصہ لینے پر مجبور نہیں ہیں۔ اسلام کا نظریہ حکومت دنیاوی حکومتوں کے نظریات سے بالکل مختلف ہے۔ جن کی اساس قومیت یا وطنیت پر قائم ہے۔ وہ افراد جو حکومت الٰہیہ میں حصہ نہ لیں گے اغلباً وہ غیر مسلم ہوں گے۔ ان کے ساتھ بھی اس حکومت میں انصاف ہوگا ان کی جان و مال عزت و ناموس اور مذہبی شعار کا تحفظ کیا جائے گا۔

نظامِ شورائی

۱۔ جمہور امت کے نمائندگان کا انتخاب موجودہ مروّجہ لادینی حکومتوں کے طریق انتخاب پر نہ ہوگا کہ یہ طریقہ ملک میں تضیعِ وقت و زر اور متخاصم جماعتوں کا مربی ہے، نیکوکاروں کا دشمن ہے۔ لسّان، چالاک، سرمایہ دار اور حریص افراد ہی اس انتخاب سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اس لیے یہ طریقہ انتخاب ممنوع قرار دیا جانا چاہیئے۔

۲۔ وامرھم شوریٰ بینھم کی تعمیل میں ہر صوبے میں ایک عام مجلسِ شوریٰ طلب کی جائے گی مجلسِ شوریٰ کے ارکان کا کوئی انتخاب ضروری نہیں، مندرجہ ذیل تمام افراد، باختیارِ خود مجلسِ شوریٰ کے اراکین ہو سکتے ہیں:۔

(۱) علماء و صلحاء و بزرگانِ دین و مشائخ عظام، رہنمایانِ قوم سربرآوردگانِ ملک

(۲) علوم دنیوی کے ماہرین ماہرِ سیاسیات، ماہرِ فلسفہ، ماہرِ سائنس، ماہرِ ریاضی، ماہرِ تاریخ ماہرِ زبان، ماہرِ معاشیات، ماہرِ اقتصادیات

(۳) ماہرینِ صنعت و حرفت، ماہرینِ آلات و مشین، ماہرینِ اسلحہ و فنونِ جنگ، ماہرینِ تجارت

(۴) ہر وفاق (صوبہ) کا ایک صدرِ وفاق۔

مقصد یہ ہے کہ مجلسِ شوریٰ ملک کے اہل الرائے افراد اور اربابِ حل و عقد پر مشتمل ہوگی

اسنادِ علمی یا عملی تجربہ یا کسی خاص علم وفن یا ہنر یا پیشے کے ساتھ مشہورِ عوام ہونا ان شرائط کی اغراض کے لئے کافی ہے پھر سب سے بڑا معیار جو اہلیت ثابت کرنیوالا ہے۔ وہ ان سبھی اسنادِ علمی یا شہرت یا تجربہ سے بالاتر ہوتا ہے اور نا قابلِ انکار و تردید ہے وہ یہ کہ مسئلہ زیرِ بحث میں اظہارِ رائے مجلسِ اہل الرائے میں کی جائے گی وہ بجائے خود رائے دہندہ کی اہلیت کا معیار ہوگی۔

مثلاً علماء کے مجمع میں جہاں امورِ دین زیرِ بحث ہیں غیر عالم کو خود بخود لب کشائی کی جرأت نہ ہوگی کہ وہ دین کی کلیات و جزئیات، اصول و فروع کا علم ہی نہیں رکھتا پھر رائے کیا دیگا۔ بفرضِ محال وہ کوئی ایسی رائے پیش کرتا ہے خواہ وہ مخالفِ دین ہی کیوں نہ ہو تو اس رائے دہندگی سے اس کا عالمِ دین نہ ہونا خود بخود ثابت ہو جائے گا اور مجمعِ علما اسکو امورِ دین میں رائے دہی کے حق سے محروم کرنے کا مجاز ہوگا۔ اسی طرح دوسرے علوم و فنون کے باب میں اظہارِ رائے سے حق رائے دہندگی کی اہلیت و نااہلیت کا ثبوت قطعی ماہرینِ علوم و فنون حاصل کر سکیں گے۔ اس طرح مجلس شوریٰ میں ہر وہ فردِ امت شامل ہو سکتا ہے جو کسی بھی علم و فن عمل اور تجربہ کی بناء پر خود کو اہل الرائے ماہرِ فن باور کرتا ہو اور مجلسِ شوریٰ کو اپنی اظہارِ رائے سے ایسا باور کرا سکے۔ نہ کسی انتخاب کی ضرورت نہ ووٹ کی نہ سفارش کی حاجت ہے نہ جوڑ توڑ کی۔ مجلسِ شوریٰ کے دروازے ہمیشہ تمام افرادِ ملت پر کھلے ہوئے ہوں گے۔

طریقِ کار

(الف) ہر مجلسِ شوریٰ سب سے پہلے اپنا صدر منتخب کریگی۔ اس طرح ہر منطقے اور صوبے کا ایک امیر یا صدر ہوگا

(ب) ہر صدر یا امیر کے لئے شرائط مندرجہ ذیل لازمی ہیں:۔

(۱) علم بقدرِ ضرورت (۲) شرافت و نجابت (۳) خدا ترسی و پرہیزگاری (۴) شجاعت (۵) دیانت (۶) وہ منصب کا خواہشمند نہ ہو

طریقِ انتخاب

(۱) سب سے پہلے علماء، صلحا بزرگانِ دین اور مشائخ عظام ان افراد کی فہرست مرتب کریں گے جو امارت یا صدارت کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں یہ فہرست اپنی مجلسِ شوریٰ میں

پیش کریں گے اور اپنے طبقے کا ایک صدر کثرتِ رائے سے منتخب کر لیا جائیگا

(۲) پھر مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے بالترتیب استصواب رائے عامہ ہوگا ان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اس شعبہ کی فہرست میں کسی اور نام کو تجویز کریں اور اس کے حق میں رائے دیں بشرطیکہ مجوزہ شخص معیار مندرجہ بالا پر پورا اتر سکتا ہو۔

(۳) اس طرح مجلس شوریٰ کے مختلف طبقوں کے صدر جو اپنے اپنے طبقہ کی حمایتِ رائے سے منتخب ہوں گے۔ مجلس شوریٰ کا ایک صدر منتخب کریں گے۔ ایک سے زیادہ اشخاص کی نامزدگی منجانب ارباب شوریٰ ہو تو کثرت رائے سے ایک صدر منتخب ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے (۱) منتخبہ صدر کے لئے لازمی ہوگا کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان میں سے ۷۵ فیصدی ارکان کا معتمد علیہ ہو (۲) منتخبہ صدر خود صدارت کا امیدوار اور متمنی نہ ہو۔ (۳) یہ منتخبہ صدر اس منطقے یا صوبے کا صدر مجلس شوریٰ ہوگا۔ اور یہ صدر اپنی وفاقی شوریٰ کے صدر الصدور کے ساتھ شورائی ہیئت کلیہ کی تشکیل کریں گے۔ یہ شورائی ہیئت کلیہ ایک مرکزی صدر کے انتخاب سے مکمل ہوگی (۴) مجلس شوریٰ کا منتخبہ صدر ہی ریاست کا قائدِ اعظم کہلائے گا، یا امیر یا صدر جمہوریہ اسلامیہ پاکستان یا کوئی اور نام جو شوریٰ تجویز کرے (۵) منتخبہ صدر کے ہاتھ پر تمام ارباب حل و عقد یعنی جملہ ارکان مجلس شوریٰ بیعتِ سمع و اطاعت کریں گے اور اس کے بعد عوام امت اپنے ارباب حل و عقد کے فیصلہ کی توثیق و صحت کا اظہار اپنی اپنی بیعت سمع و اطاعت سے کریں گے۔ اس کے بعد منتخبہ صدر امت کے تمام اختیارات کا مرکز نیابت سمجھا جائے گا۔

(۶) منتخبہ صدر علیٰ رؤس الاشہاد اس ذمہ داری کو قبول کرے گا کہ امت نے اپنے اختیارات جو اس کو تفویض کئے ہیں ان کا استعمال کتاب و سنت کے ماتحت، تابع شوریٰ وہ کریگا۔ اور اس منصب کو وہ ایک مقدس امانت یقین کرے گا امت کے سامنے وہ ہر فعل اور ترک فعل کے بارے میں مسئول اور جواب دہ ہوگا۔ امت کی نصیحت سنے گا اور یہ کہ جب کبھی امت چاہے گی اس کو معزول کر دیگی

(۷) صدر کی تقرری و معزولی کو امت کسی میعادِ خاص اور وقتِ خاص کی قید سے مقید قرار نہیں دیتی حسن کارگزاری پر وہ تمام عمر صدر رہ سکتا ہے اور اہل ثابت نہ ہونے پر فوراً ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔ مگر جس طرح اس کے انتخاب اور تقرری میں ۷۵ فیصدی اربابِ حل و عقد کا متفق

ہونا ضروری ہے معزولی کے لئے بھی ۷۵ فیصدی کثرت رائے کا اس کے خلاف ہونا ضروری ہے
(۸) ہر منطقۂ صوبائی کا صدر یا قائدِ حکومت بھی بالکل ان ہی اصولوں پر منتخب ہوگا جن اصولوں پر مجلس شوری (مرکز) کا قیام اور انتخاب صدور و انتخاب صدر الصدور عمل میں لانا تجویز ہوا ہے اور مرکزی شوریٰ کا منتخبہ صدر جو حکومت قائم کریگا، اس میں ہر صوبے کے صدر کو وزیر یا مشیر کی حیثیت سے شامل کریگا۔

(۹) ہر منطقۂ وفاقی کا صدر الصدور مرکزی مجلسِ شوریٰ کا رکن ہوگا اور اس طرح دوسرے صدور بھی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ارکان ہوں گے۔ یہ اپنے علاقے یا صوبے کے صحیح نمائندے متصور ہوں گے۔ مگر مرکزی مجلس شوریٰ میں "مساوات تعداد ارکان لازمی شرط ہوگی صوبائی آبادی کی کثرت و قلت پر نمائندگان کی کثرت و قلت مبنی نہ ہوگی۔ وفاق کے ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے صوبے کا موقف مرکزی مجلس شوریٰ میں بالکل مساوی ہوگا۔ ہاں خود وفاق میں تعینِ تعداد وفاق کی مرضی پر منحصر ہوگا۔

(۱۰) مرکزی مجلسِ شوریٰ ایسے افرادِ امت کو صلاح و مشورت کے لئے طلب کر سکتی ہے یا ان کی رائے کسی اور طریقے پر حاصل کر سکتی ہے۔ جو مجلسِ شوریٰ کے رسمی رکن نہیں ہیں خواہ وہ کسی بھی منطقہ میں سکونت پذیر ہوں یا کسی بھی طبقہ سے متعلق ہوں اس طرح غیر رسمی مشیر افرادِ امت کو بھی ہر وقت یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مجلس شوریٰ کو وقتاً فوقتاً از خود کوئی صلاح و مشورہ دے سکیں۔ ایسے افرادِ امت کی صلاح و مشورت کا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ وہ کسی امر خاص میں مشورہ دینا مناسب سمجھیں تو شوریٰ کو لکھ بھیجیں جہاں اس امر کا اہتمام ہوگا کہ ایسے مشورہ جات محفوظ رہیں گے اور بپابندیٔ قواعدِ شوریٰ ان پر غور و خوض کیا جا سکے گا۔

(۱۱) مجلس شوریٰ اپنی صلاح و مشورت کے باب میں قواعد و ضوابط خود مرتب کرے گی جن میں طے کیا جائے گا:-

(الف) "ہیئتِ جامعہ"	(مرکزی شوریٰ)
(ب) ہیئتِ وفاقیہ	(وفاقی شوریٰ)
(ج) صوبائیہ	(طبقاتی شوریٰ)

(د) ہیئتِ منفردہ (استصواب رائے عامہ)

کے اجلاس و اجتماعات کب کب کیسے اور کہاں کہاں ہوں گے؟ -

(ھ) کیا کیا امور مشورہ طلب زیر غور ہوں گے؟

(و) عوام کی آگاہی کے لئے یہ سب باتیں وقتاً فوقتاً شائع ہوں گی جو مشورہ طلب ہیں اور کیا مشورہ طے ہوا

تابع قانون شہادت (اسلامی) رائے دہندہ امین بھی ہے گواہ بھی ہے اور مشیر بھی ہے عام اس سے کہ رائے کس طرح دی جائے گی اور کس طرح لی جائے گی بنیادی امور یاد رکھنے کے قابل ہیں -

۱۔ حق رائے دہندگی | ہر عاقل و بالغ مسلم کو حق رائے دہندگی حاصل ہے جو تابع قانونِ شوریٰ استعمال ہوگا۔

۲۔ رائے کی اہمیت | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى الْأَرْضِ ط

ہر مسلم زمین پر خدا کا گواہ ہے۔ اس کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو حق و صداقت پر مبنی ہونا لازم ہے

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط

حق میں باطل کی آمیزش نہ ہو اور حق بات کو چھپانا نہ چاہیئے۔

★ وہ افراد جو اخلاقی جرائم میں سزا یافتہ ہیں ان کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔

★ سیاسی سزا یافتگان کی شہادت قابلِ قبول ہوگی بشرطیکہ وہ بددیانتی۔ ملک دشمنی وغیرہ سے متہم نہ ہوں

★ ملازمین حکومت بھی حق ادائے شہادت رکھتے ہیں - بشرطیکہ وہ امانت و دیانت کی خلاف ورزی میں معروف نہ ہوں

★ جو لوگ اسلام کے پانچوں بنیادی اصولوں پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور نہ ان پر عمل پیرا ہوں

ان کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی

- جو افراد فسق و فجور میں شہرت رکھتے ہیں اور کھلے بندوں عیاشی، فحاشی، نشہ بازی قمار بازی اور ارتکاب محارم میں معروف ہیں سب کے سب مردود الشہادت ہیں
- جو افراد ناجائز ذرائع سے دولت مند ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے جائز ذرائع سے دولت جمع کر کے اس کو ناجائز طور پر مقید کر رکھا ہے اور ملک و قوم پر اس کو صرف نہیں کر رہے ہیں۔ اور انتخابات کے وقت ان امیدواروں کے لئے ووٹ خریدتے ہیں جو ان کے مفاد کے محافظ ہوں ان کی شہادت ناقابلِ پذیرائی ہوگی اور وہ تمام اشخاص جو ان شہادتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں خود ان کی شہادتیں بھی ناقابل اعتبار ہوں گی۔ اور یہ شہادات کی خرید و فروخت کا کاروبار سنگین جرم ہوگا۔
- ایسے تمام سیاسی رہنما جو ملکی یا غیر ملکی امداد سے سیاست میں منتفع ہو رہے ہیں یا آئندہ ہوں گے ۔ مردود الشہادت ہوں گے۔ اور قانون انسداد رشوت کے ماتحت ان کی گرفت ہوگی
- یہ بھی فسق ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بُرا کہے، گالیاں دے بہتان لگائے الزام تراشی کرے، اس کی نیکنامی کو نقصان پہنچائے اس کی تحقیر یا تکفیر کرے۔ اس جرم کا ارتکاب جاہل سے ہو یا عالم سے۔ خواہ یہ صورتِ حال عالموں میں ہو یا جاہلوں میں۔ مردود الشہادت قرار دینے کے لئے کافی متصور ہوگی۔ تا وقتیکہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے کہ یہ طرزِ عمل حق بجانب تھا یا یہ الزامات بے بنیاد تھے۔
- بغض و عداوت تعصب اور عصبیت، جلبِ منفعت اور دفع مضرت کے خیال سے شہادت کو متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ شہادت باطل متصور ہوگی اور حق شہادت ایسے اشخاص سے سلب کر لیا جائے گا۔
- رائے دینا بھی شہادت ادا کرنا ہے اور شہادت خدا کی طرف سے وہ فریضہ ہے جو

مسلمانوں پر بطور امانت عاید کیا گیا ہے اس پر اظہار حق کا مدار ہے اس پر عدل کا انحصار ہے اسی پر صحت انتخابات منحصر ہے۔

اس لئے شہادت قبول کرتے وقت شاہدؔ کی حیثیت کا صحیح اندازہ ضروری ہے یا شہادت کا حق دینے سے پہلے ان تمام امور کی چھان بین اچھی طرح کر لی جائے جو قادح شہادت ہوں، ووٹروں کی فہرست دراصل شاہدوں کی فہرست ہے۔ اور وہ مطلوبہ شرائط کے ساتھ مرتب ہونی چاہئے

میرے نزدیک ہر ایک رائے دہندہ سے سوال نامہ پر کرایا جائے جو تمام ضروری معلومات کو جامع ہو۔ اور اس کی حیثیت ایک مصدقہ حلف نامہ سے کم نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ضروری ضوابط وضع کئے جائیں اور تمام افراد کو ان ضوابط کے ماتحت حلف نامے داخل کرنے کا پابند کیا جائے، اور ان حلف ناموں کو حلقہ وار مرتب کر کے مجلّد کرا جائے۔ یہی ووٹروں کی خود نوشت فہرست بھی ہوگی۔

صدارت، امارت یا خلافت

صدر امیر یا خلیفہ

علماء امت اس امر پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ایک امیر یا خلیفہ، ریاستِ عالیہ کا وجود واجب ہے۔ اس ایجاب کے ثبوت میں ہم کو کئی چیزیں ملتی ہیں۔ وعد اللہ الذین آمنو منکم وعملو الصّٰلحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (النور ۱۲)

(۱) صحابۂ کرام کا اجماع کہ انھوں نے نصبِ خلافت کو تدفین رسولؐ پر بھی مقدم رکھا۔

(۲) سرحدوں کا انتظام، حدود کی نگہداشت واجب ہے۔ یہ بغیر خلیفہ کے ممکن نہیں۔

(۳) نصبِ خلافت سے بہت سے فوائد مرتب ہوتے ہیں اور بہت سی مضرتیں دور ہو جاتی ہیں۔

از روئے عقل بھی نصبِ خلافت واجب ہے، کیونکہ کوئی امت اس قوت سے مستغنی نہیں ہو سکتی، جو اس کے قوانین کو نافذ کرے۔ حالات کی اصلاح کرے۔ یہ ضرورت اجتماعِ بشری کی ضروریات میں سے ایک ہے۔

ابنِ خلدون نے اپنے مقدمہ میں کہا ہے:۔

جمہور مسلمین سے بعض لوگوں نے نصب خلافت کے وجوب کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ وہ عقل اور شرعی طور پر اس کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض خوارج اور معتزلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک، واجب یہ ہے کہ شرع

کے احکام نافذ ہوں اگر امت اصولِ عدل پر عامل ہے اور خدائے تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتی ہے تو اُسے نہ کسی امام کی ضرورت ہے اور نہ نصبِ امامت واجب ہے"

بہر حال جمہور علماءِ اسلام کے نزدیک ضروری ہے کہ معاملاتِ مسلمین کے انفصال[۱] سرحدوں کے انتظام، حدود کے قیام[۲] اور ملکی نظم و نسق کی نگہداشت کے لئے ایک ریاستِ عالیہ کا (خلیفہ یا امام یا امیر یا صدر) ہو جس کی وفاداری کا اربابِ حل و عقد عہد کر چکے ہوں اور وہ عامۃ المسلمین و خدا اور رسول سے وفاداری کا عہد کر چکا ہو

شروط امامت

ابوالحسن ماروی نے الاحکام السلطانیہ میں روایت کی ہے کہ امامت کے اہل کے لئے شروطِ معتبرہ سات ہیں

(۱) عدالت (۲) اتنا علم جو اجتہاد کے لئے کافی ہو (۳) سلامتیٔ حواس (۴) سلامتیٔ اعضاء (۵) اصابت رائے (۶) شجاعت (۷) نسب

پہلی چھ شرائط متفقہ سمجھئے۔ ساتویں شرط (نسب) مختلف فیہ ہے۔ اس باب میں نصوص معارض ہیں اگر "الائمۃ من قریش" کی حدیث صحیح ہے تو ایسی احادیث بھی موجود ہیں۔ جن میں نسب کے اعتبار کو قابلِ ترک بتایا گیا ہے"۔ اصل شرط اہلِ حل و عقد کا اجماع ہے"

رائے عامہ کی منزلت

بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ سے نیز آثارِ خلفاء ثابت ہے کہ جماعت کی رائے پر اعتماد اور جب کبھی خلیفہ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ اُس نے رائے غلط قائم کی تھی تو اُس نے اپنی رائے واپس لی۔ خلیفہ معصوم نہیں۔ نہ وہ مہبطِ وحی ہے۔ نہ کتاب و سنت کی تفسیر اس کا خاص الخاص حق ہے۔

فہم کتاب کے بارے میں بھی اس کو کوئی اختصاص نہیں ہے۔ بلکہ وہ اور تمام اہل فہم برابر ہیں اگر ان میں کسی کو فضیلت حاصل ہے تو بربنائے صفائے عقل و اصابت رائے ہے۔ امت یا اس کے نائب ہی اس کو متقرر کرنے کا حق رکھتی ہے۔ امت ہی کو اس کی نگرانی، نگہبانی اور خبر... کا حق ہوتا ہے جب مصلحت کا اقتضا ہو تو امت ہی کو حق

حاصل ہے کہ اُس کو معزول کر دے۔

اسلام میں دین کے اندر کسی کو کوئی خاص اختیار حاصل نہیں ہے ۔ ہاں اختیار ہے تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور تنفیر عن الشر کا ہے اور اس اختیار میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں۔

جمہوری و استبدادی حکومت کا فرق

قوتِ حاکمہ (جس کو امت سے بنیابتہً اختیارات حاصل ہیں) اور قوتِ محکومہ (اُمّت، عوام) کے مابین جو اختیار و اقتدار کا علاقہ ان حدود میں محدود رکھا جائے جو حاکم کے وقار اور محکوم کی آزادی کو ہم آہنگ اور ہم سنگ رکھے آزادئ محکوم سے ہمارا مطلب حریتِ ذات، حریتِ مقام، حریتِ ملک، حریتِ رائے، حریتِ اعتقاد، حریتِ تعلیم جن سے آزادئ شخصی عبارت ہے اور حاکم یا امیر کے وقار سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ وہ اختیارات جو اُس کو عوام سے حاصل ہوئے ہیں ان کے نفاذ میں تابع شوریٰ اس کو اعتماد عامہ کا امین سمجھا جائے تاوقتیکہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔ اس علاقہ فیما بین حاکم و محکوم کے اختلاف سے حکومت کی وضع و شکل تبدیل ہو جاتی ہے یا تو وہ حکومت دستوری بن جاتی ہے یا استبدادی اور شخصی حکومت میں منتقل ہو سکتی ہے اس لئے اس علاقہ کی حفاظت فرض ہے۔

علاقہ حاکمیت و محکومیت

خدا نے شوریٰ کا حکم دیا ہے لیکن اسی کی تفصیل اس لئے بیان نہیں فرمائی کہ ہر زمانہ کے مقتضیات اور احوال و ماحول کے مطابق امت کے اربابِ حل و عقد اس نظام شوریٰ کو خود مرتب کر سکیں۔ چنانچہ ان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کے لئے ایک نظام انتخاب قائم کریں۔ اس کے شرائط لازمہ طے کریں کہ کون منتخب ہوگا۔ کس طرح منتخب ہوگا۔ انتخاب کی صورت اور نوعیت و کیفیت وغیرہ کیا ہونگی۔ یہی حال نظام مسئولیت کا ہے۔ حاکم (اعلیٰ) امّت کے سامنے مسئول اور جوابدہ ہے لیکن کن کن امور میں جوابدہ ہے۔ اس مسئولیت کی تفصیل نہیں فرمائی گئی۔ یہ تفصیل چھوڑی

گئی ہے یہ بھی اسی لئے کہ اس تفصیل کو ہر امت مقتضائے وقت اور احوال و ماحول کے مطابق خود وضع کرے۔ اگر تنظیم شوریٰ کو ترک کر دیا جائے گا تو آزادی کی روح پامال ہو جائیگی اور مسئولیت کا علاقہ کمزور ہو کر حاکم اپنے آپ کو مطلق العنان اور خود مختار سمجھنے لگیں گے اور اس طرح حکومت الہیہ کے خط و خال مسخ ہو کر ایک لادینی اور مادّی حکومت ظہور میں آجائے گی۔

خلیفہ خلیفہ یا امیر بھی عام مسلمانوں میں کا ایک فرد ہے۔ مسلمانوں نے اُس پر بھروسہ کیا اور اپنے امور دین اور معاملات دنیا کی نگہبانی اس کے سپرد کی۔ تاکہ وہ ان کی مصالح کا لحاظ کر کے اپنے فرائض انجام دے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کے لئے اس کے احکام کی سماعت و اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر حبشی غلام بھی تمہارا سربراہ مقرر ہو جائے تو تم اس کے احکام کی سماعت و اطاعت کرو، ہاں اگر وہ گناہ کا حکم دے تو پھر سماعت و اطاعت واجب نہیں۔[۱]

امارت کا امیدوار نہ بننا چاہیئے، کیونکہ اس میں رو بہ توجہ نفس کی طرف ہو کر خدا کی طرف سے توجہ ہٹ جانے کا سر و سامان ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کی ماتحتی میں آجاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے حضور کی دعا تھی کہ

"اے اللہ مجھے اپنے نفس کے حوالے نہ فرمانا" ہاں بغیر امیدواری کے یہ منصب ملے تو اس میں خدا کی مدد امیر کے شریک حال ہوتی ہے۔[۲]

حضور نے فرمایا کہ آگے چل کر تم لوگ امارت کے حریص ہو جاؤ گے اور یہ امارت قیامت میں تمہارے لئے ندامت بن جائیگی۔ امارت کی مثال ایسی ہے جیسے دودھ پلانے والی شیرخوار بچوں کو اچھی لگتی ہے اور جب وہ دودھ چھڑاتی ہے تو بری لگتی ہے، مطلب یہ ہے کہ امارت کا آغاز اچھا ہوتا ہے اور انجام برا ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ ابتداء امارت میں مال و جاہ اور حسی لذتیں اور وہمی مسرتیں شریک حال ہوتی ہیں اور آخر کار قتل و عزل تک نوبت پہنچتی ہے۔[۳]

امیر مملکت اور عامۃ المسلمین کے مابین علاقۂ نصیحت برقرار رہنا چاہیئے[۴]

امیر مملکت اور عامۃ المسلمین کے مابین حفظ عہد اور اخلاص دوفا کا جو علاقہ ہے وہ قائم رکھا جائے اس والیٔ ریاست پر جنت کی ہوا بھی حرام ہے جو اس حال میں مرے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ مخلص نہ ہو دل میں کھوٹ رکھتا ہو[۵]

حوالہ متعلقہ سماعت واطاعت

[۱] اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۰)

فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (بخاری ص ۱۰۵۰)

حوالہ جات متعلقہ :- امامت یا امارت

باب من لم یسئل اللہ الامارۃ اعانہ اللہ ص ۱۰۵۸ (بخاری)

[۲] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا عبد الرحمٰن بن سمرۃ لا تسئل الامارۃ فانک ان اعطیت عن مسئلۃ (سوال، وکلت الیھا (ای صرف الیھا ومن وکل الی نفسہ ھلک ومنہ فی الدعاء لا تکلنی الی نفسی) وان اوتیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا واذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینک وأت الذی ھو خیر

باب ما یکرہ من الحرص علی الامارت

[۱] قال انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمۃ (ای نعم اولھا وبئس آخرھا وذالک لان فیھا المال والحابۃ واللذات الحسیۃ والوھمیۃ اولا ولکن آخرھا القتل والعزل ومطالبۃ التبعات فی الآخرۃ

باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح

[۱] ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ لن یجد رائحۃ الجنۃ (بخاری)

هوالحفظ والتعهد

سے [ما من وال یلی رعیته من المسلمین فیموت وهو غاش لهم الاحرم الله علیه الجنته]

لا تقض بین اثنین وهو غضبان

باب متی یستوجب الرجل القضاء (عدیہ)

وقال الحسن. اخذ الله علی الحکام ان لا یتبعو الهوی ولا یخشوا الناس ولا یشتروا بآیاته ثمنا قلیلا ثم قرأ یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله ان الذی یضلون عن سبیل الله لهم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب

لہ ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون

حاکم وقوعہ سے خواہ پہلے ہو یا بعد میں ہوا ہو کے سامنے ارتکاب جرم ہو تو وہ اور مسلمانوں کی طرح ایک مسلم شاہد ہے اور اپنے علم کی بنا پر حکم نہیں کر سکتا۔

وقال اهل الحجاز حاکم لا یحکم یقضی بعلمه شهد بذالک فی ولایته او قبلها ولو اقر عنده خصم آخر یحی فی مجلس القضاء [لہ وهو قول ابی یوسف ومن تبعه فوافقهم الشافعی قال ابو علی الکرابیسی قال الشافعی بمصر فیما بلغنی عنه ان کان القاضی عدلا لا یحکم بعلمه فی حد ولا قصاص الا ما اقر به بین یدیه ویحکم بعلمه فی کل الحقوق

فقید ذالک بکون القاضی عدلا اشارة الی انه ربما ولی القضاء من لیس بعدل بطریق تغلب]

فانه لا یقضی علیه فی قول بعضهم حتی یدعو بشاهدین فیحضرهما اقراره وقال بعض اهل العراق ما سمع او رآه فی مجلس القضاء قضی به وما کان فی غیره لم یقض الا بشاهدین لہ

[؁ یہ قول امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا ہے فیما نقلہ الکرامیسی عنہ اذا رای الحاکم رجلا یزنی مثلاً لم یقض بعلمہ حتی تکون بینۃ تشھد بذالک عندہ] وقال الآخرون منھم بل یقضی بہ لانہ موتمن وانما یراد من الشھادۃ معرفۃ الحق فعلمہ اکثر من الشھادۃ وقال بعضھم تقضی بعلمہ فی الاموال ولا یقضی فی غیرہ

وقال القاسم لا ینبغی للحاکم ان یقضی قضاء لعلمہ دون علم غیرہ مع ان علمہ اکثر شہادۃ من غیرہ ولکن فیہ تعرضاً لتھمۃ نفسہ عند المسلمین وایقاعاً لھم فی الظنون وقد کرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اھل العلم فھو رد

؁ بنی خذیمہ کے اسلام لانے پر حضرت خالد ولید نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس قبیلہ کے ایک قیدی کو ایک آدمی قتل کر دے۔ ابن عمرؓ نے انکار فرمایا اور کہا کہ میں اور میرے ساتھی۔ بخدا ہرگز ان قیدیوں کو قتل نہ کریں گے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ (دوبار)

عن رأی من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ

۴۔ خلیفہ صدر یا امیر شوریٰ کے تمام رائے دہندے مل کر کثرت رائے سے ایک صدر یا امیر اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ شروط پائی جائیں۔ عدالت[1]، علم[2]، سلامتی[3] حواس، سلامتی[4] اعضاء، اصابت[5] رائے، شجاعت[6]، النسب ان کے علاوہ

۵۔ صدر یا امیر کی اسناد امارت یا صدارت کے لئے وہی اسناد کافی ہو سکتی ہیں جو تمام شوریٰ کے لئے لازمی

ہیں۔ مگر استحساناً امور مندرجہ ذیل معیار صدارت و امارت کے لئے نمونہ ہو سکتے ہیں کوئی امیر اس کو مطلق نظر انداز نہیں کر سکتے۔ من لایدرکہ الکل لا یترکہ الکل

امیر یا صدر دنیا پرست نہ ہو

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اوتیت مفاتیح خزائن الارض (بخاری) اس کے باوجود آپ نے جس وقت دنیا کو خیر باد کہا پیوند دوز کمبل اور کھجور کے پتوں سے آپ کا مکان چھایا ہوا تھا۔ حالانکہ اس وقت ظاہری طور پر بھی آپ کی حیثیت دس لاکھ مربع میل کے بادشاہ کی تھی۔ مگر آخر وقت تک آپنے اس بادشاہت سے خود کوئی استفادہ نہیں فرمایا، نہ اپنے خاندان والوں کو ہی استفادہ کا موقع دیا۔ حتیٰ کہ آپ کی چہیتی صاجزادی بھی چکی پیستی رہیں۔ یہ سب باتیں کس لئے تھیں۔ صرف اس لئے ان المصائبی لتعزو المسلمین فی مصائبھم (موطا امام مالک) یعنی میری مصیبتیں تمام مسلمانوں کی مصیبتوں کے وقت تسلی کرتی رہیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشینوں رض کا بھی یہی حال رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض سے کھانا پکانے والی کی فرمائش ام عائشہ رض نے کی تو فرمایا کہ بیت المال سے جو کچھ ملتا ہے اس سے زیادہ نہ لونگا۔ پھر نوکرانی کیسے رکھی جائے۔ مجبوراً انھوں نے کچھ پس انداز کر کے پھر درخواست کی تو وہ پس اندوختہ بیت المال میں واپس جمع کرا دیا گیا اور فرمایا کہ یہ زائد از ضرورت ہے۔ تم اتنے کم سے بھی گھر کا کام چلا سکتی ہو۔

حضرت عمر فاروق رض کی امارت کے زمانہ کے واقعات دیکھئے:۔

عتبہ بن فرقد جو کسی صوبہ کے عامل تھے حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمر اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ ان کو اندر ہی بلا لیا۔ عتبہ نے آپ کی موٹی جھوٹی غذا کو دیکھ کر کہا:۔ ھل لک من طعام یقال لہ الحواری (کیا آپ ایسا کھانا نہیں استعمال کرتے جس کو میدہ کہتے ہیں) جواب میں پہلے تو حضرت عمر رض نے عتبہ رض سے دریافت کیا:۔ یا ابن فرقد ھل تری احداً من العرب اقدر منی (ابن فرقد

سرزمین عرب پر مجھ سے زیادہ مقدرت والا بھی کوئی اس وقت آپ کی نظر میں ہے؟) انھوں نے کہا: آپ سے زیادہ مرتبہ والا کون ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد آپ نے پوچھا:- ویدرک لیسع ذالک المسلمین قال لا (اب فرقد! کیا سارے مسلمانوں کو میدہ کا آٹا میسر آسکتا ہے۔؟ اس نے کہا نہیں) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے موٹے جھوٹے کھانے کا اصلی سبب ظاہر فرمایا۔

بئس الوالی ان اکلت طیبہا واطعمت الناس کرادیسہا (ص ۵۲ محب طبری)	میں بہت ہی برا حاکم ہونگا اگر خود تو اچھا اچھا کھاؤں اور لوگوں کو خراب اور ردی چیزیں کھلاؤں

عام زیادہ میں حضرت عمرؓ کو محض غریبوں اور مسکینوں کے خیال سے ایسی خوراک کھانی پڑی کہ جو اچھی طرح ہضم بھی نہ ہوتی تھی۔ پیٹ میں قراقر ہو گیا تھا۔ آپ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پیٹ سے منی دب ہو تے تھے۔

ان شئت قرقر وان شئت لاتقرقر مالک عندی ادم حتی یصلح اللہ المسلمین (ص ۵۳ محب طبری)	چاہے تو قرقر کر چاہے قرقر نہ کر۔ تیرے لئے سالن میرے پاس اس وقت تک نہیں جب تک کہ قحط کی موجودہ مصیبت مسلمانوں کے سر سے ٹل نہ جائے

آپ ہی کے زمانے کا واقعہ ہے حمص کے والی نے ایک بالاخانہ بنوایا تو آپ نے بارگاہِ خلافت میں بلا کر اُن کو ڈانٹا اور فرمایا کہ بنیت العلیۃ واشرف بہا علی المسلمین والارملۃ والیتیم (تم نے اٹاری بنائی ہے اور عام مسلمانوں بیواؤں یتیموں پر اس کے ذریعہ شرف اور بلندی حاصل کی ہے؟)

حضرت علی علیہ السلام جب امیر ہوئے تو پھٹے کپڑوں میں دیکھ کر کسی نے آپ سے عرض کیا:- لم ترقع قمیصک (اپنے کرتے میں آپ پیوند کیوں نہیں لگاتے؟) جواب میں وہی نکتہ ارشاد ہوا جو حضورؐ نے فرمایا تھا۔

لانہ یخشع القلب ویقتدی بہ المومنین (طبری ص۔۲۲ ج ۲)

(اس سے قلب میں خشوع پیدا ہوتا ہے اور مسلمان اس کو نمونہ بنا سکتے ہیں)

"۔۔۔ اگر اُمراء اس زندگی کو نمونہ بنا کر تکلفات اور تصنع سے پرہیز کریں تو نہ جانے کتنے غریبوں اور مسکینوں، بیواؤں، یتیموں کی دل دہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں ۔۔۔" اور ان کا درجہ خالق و مخلوق کی نظر میں کتنا بلند ہو سکتا ہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

اختیارات کا مرکز بتایا گیا اختیارات کا مرکز (عوام) امت ہی ہے اور وہ خلیفہ یا امیر پر حاکمانہ حیثیت رکھتی ہے امیر امت کے سامنے جوابدہ اور مسئول ہے۔ امیر کی ساری طاقت امت ہے جو ارباب حل و عقد کی صورت میں اس پر حاوی رہتی ہے۔ اس لئے امت، خلیفہ کو معزول کر سکتی ہے بشرطیکہ اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہو جو اس کے معزول ہونے کو مستلزم ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو خطبہ میں فرمایا۔

"اے لوگو! میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں بھٹکوں تو مجھے ٹھیک کر دو۔"

خطبہ کے خاتمہ پر آپ نے فرمایا:۔

"جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو۔ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو تم پر بھی میری اطاعت ضروری نہیں ہے۔"

ایسی ہی روایتیں دیگر خلفاء راشدین کے بارہ میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اختیارات کا منبع اور مرجع عوام امت ہی ہیں۔

بنیادی حقوق

اسلامی معاشرے میں ادائے فرائض پر بنیادِ حقوق
استوار ہوتی ہے، فرض ناشناسی، حق ناشناسی ہے
اور اپنا فرض ادا نہ کرنا، اپنے حق سے خود بخود محروم ہو جانا ہے
جو معاشرہ ادائے فرائض کے بغیر محض مطالبۂ حقوق کی
بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ ظالموں، سفاکوں، وحشیوں
اور درندوں کا معاشرہ ہوتا ہے۔

غیر اسلامی حکومتوں کے باشندے عام طور پر مطالباتِ حقوق کے لئے جلسے جلوس ہڑتال احتجاج، تقریر و تحریر سے کام لیتے ہیں اور بعض اوقات سول نافرمانی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس کے برعکس ــ اسلامی حکومت نیابتاً خود بخود افرادِ ریاست کی متکفل ہوتی ہے اس لئے اسلامی ریاست کے افراد ادائے فرض کو اپنا وظیفہ سمجھتے ہیں اور مطالبۂ حقوق کی انہیں ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

اس طریقۂ کار سے اخلاقی و روحانی نشو و نما کیلئے سازگار ماحول میسر آتا ہے۔
جو اخلاقی اور معاشی دونوں جہات میں منظم ہوتا ہے

بنیادی حقوق

ہر "پاکستانی آزاد ہے" آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کو شخصی آزادی،[1] مقام کی آزادی،[2] ملک کی آزادی،[3] اعتقاد کی آزادی،[4] رائے کی آزادی،[5] تعلیم کی آزادی[6] حاصل ہوگی۔

۱۔ شخصی آزادی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ظلم و ایذا رسانی کی اجازت قانوناً حاصل نہیں ہے ہر شخص کی ذاتی آزادی قانون میں مکمل طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ بشرطیکہ وہ آزادی دوسروں کی آزادی پر اثر انداز نہ ہو اور قانونی حدود سے تجاوز نہ کرے

ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا (بخاری) یہ اعلانِ آزادی شارع علیہ السلام نے حج وداع کے موقعہ پر ایک لاکھ کے مجمع میں فرما دیا ہے۔ کہ ہر شخص اپنے نفس اپنے مال اپنی آبرو اپنے مقام اور اپنے تمام حقوق میں بالکل آزاد ہے۔

۲۔ آزادیٔ مسکن یا حریتِ مقام قانوناً ہر فرد کو مقام و مسکن کی آزادی حاصل ہے۔ جلاوطنی کی سزا صرف ان افراد تک محدود ہے جو خدا و رسول سے برد آزما ہوں یا مفسدانہ سرگرمیوں میں حصہ لیں۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذالک لھم خزی فی الدنیا و لھم فی الآخرۃ عذاب عظیم یعنی جو لوگ خدا اور رسول سے برد آزما ہوں یا زمین پر فساد پھیلاتے ہوں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے قطع کئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے

یہ ہے ان کی دنیاوی رسوائی اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

آزادی مسکن کا قانوناً بڑا احترام کیا گیا ہے۔ فلا تدخلوها حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اگر اجازت کی بجائے یہ کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو لوٹ آؤ۔ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے اذا استأذن احدکم ثلاثا فلم یوذن فلیرجع اگر تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو اس کو واپس ہو جانا چاہیئے۔

۳۔ آزادیٔ ملکیت قانوناً آزادی ملکیت بھی تسلیم ہے۔ الکم رؤس اموالکم، اپنی ملکیت میں تصرف کو بھی جائز رکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بیع اجارہ، قرض، صدقات، خیرات، صاحب ملکیت کے آزاد تصرف پر مبنی ہیں۔ صاحب ملکیت تجارت اور مبادلات مالیہ کا مجاز ہے مگر اس کی صحت کا مدار رضامندی باہمی کو قرار دیا گیا ہے۔ یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم یعنی اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ، بجز اس کے کہ وہ مال تجارت ہو اور وہ باہمی رضامندی پر مبنی ہو۔ باطل ذرائع سے ملکیت حاصل کرنا بھی ممنوع اور اس کا ضائع کرنا بھی جرم ہے۔

۴۔ اعتقاد کی آزادی قانوناً کسی فرد کو اکراہ و جبر کے ساتھ ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (لا اکراہ فی الدین) دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین۔ کیا تم لوگوں کو مجبور کرنا چاہتے ہو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

ہر فرد کو آزادی ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کی بنیاد پر جو عقیدہ چاہے اختیار کرے

داعی اور مبلغ کے لئے سب سے زیادہ موثر حربہ موعظت حسنہ ہے فذکر انما انت مذکر لست علیهم بمسیطر اسلام نے جہاں مسلمانوں کے شعائر کی حفاظت کا حکم دیا ہے غیر مسلموں کو بھی اس امر کی آزادی عطا کی ہے کہ وہ اپنے شعائر کو قائم رکھیں۔ اپنے معابد و کنائس میں اپنے مراسم ادا کریں۔ اپنے معاملات اور احوال شخصی میں وہ اپنے مذہبی

احکام کی پوری آزادی کے ساتھ پیروی کریں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اہل ایلیا سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں صاف مرقوم تھا کہ اہل ایلیا کو جان و مال کی آزادی دی جاتی ہے ان کے کنائس کی آزادی تسلیم کی جاتی ہے ان کی ساری قوم کی آزادی کا وعدہ کیا جاتا ہے ان کے کنائس کو نہ توڑا پھوڑا جائے گا نہ ان کے کنائس کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کو دین بدلنے پر مجبور کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو خواہ تکلیف دی جائے گی نہ ان کی صلیبوں اور دوسری مذہبی چیزوں کو برباد کیا جائے گا وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔ الحج ۱۳

شارع علیہ السلام کا ذمیوں کے لئے یہ ارشاد کہ لھم مالنا وعلیھم ما علینا یعنی ہم آرام میں ہیں تو وہ بھی آرام اٹھائیں گے اور اگر ہم دکھ میں ہیں تو وہ بھی دکھ جھیلیں گے، اسلامی رواداری اور اسلامی طرز عمل اور حریت اعتقاد کی بنیاد ہے۔

۵۔ آزادئ رائے

آزادی رائے دو صورتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ معاملہ جس میں آزادی رائے مطلوب ہے دینی ہوگا یا غیر دینی ہوگا۔

اگر غیر دینی معاملہ ہے تو ہر فرد کو اپنی رائے ظاہر کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی

نظائر:۔ خود شارع علیہ السلام نے ایسے امور میں آزادی رائے کو تسلیم کیا ہے چنانچہ ایک غزوہ میں آپ نے ہدایت فرمائی کہ فلاں جگہ قیام کیا جائے۔ ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یہ ارشاد بر بنائے وحی ہے یا صرف آپ کی رائے ہے۔ آپ نے فرمایا میری ذاتی رائے ہے عرض کیا گیا تو پھر یہ منزل مناسب نہیں فلاں منزل مناسب ہوگی!" چنانچہ اسی رائے پر عمل کیا گیا۔

اجتہاد کا درجہ:۔ اگر معاملہ دینی ہے تو ہر شخص کو اجتہاد کا اذن عام ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اپنی رائے ظاہر کرے۔

شرائط:۔ (۱) وہ اجتہاد نص سے متصادم نہ ہو (۲) وہ رائے اصول دین کی حدود سے متجاوز نہ ہو (۳) قوانین کلیہ اور نصوص صحیحہ سے معارض نہ ہو جو ثابت ہیں۔

امر دینی میں بھی اجتہاد کے ذریعے رائے اور قیاس کا کیا درجہ ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیثِ مبارکہ سے ہو سکتا ہے :- ان کل مجتہد ماجور ان اخطاء فلہ اجر وان اصاب فلہ اجران یعنی ہر مجتہد کو اجر ملتا ہے اگر اس نے اس اجتہاد میں خطا کی تو اسے ایک اجر ملیگا اور اگر اس کا اجتہاد صحیح ہے تو دگنا اجر ملے گا۔

تشریح :- جن امور دینیہ میں ائمہ کرام کی کوئی تصریح موجود نہ ہو یا ایسے معاملات جو عہدِ حاضر کے حالات و ترقیات سے پیش آئے ہیں مگر وہ خالص دنیاوی نہیں ہیں بلکہ ان کی صحت و بطالت کی جہتیں اسلامی تعلیمات سے متعین ہوتی ہیں ایسے تمام مسائل میں ہر عالم کو رائے دینے کا حق ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کی رہنمائی میں اور استنباط احکام کے اصول کی روشنی میں اپنی رائے پیش کریں، مختلف راویوں کی موجودگی میں حکومت زیادہ مضبوط دلائل پر مبنی رائے کو جمہوری انداز میں طے کر کے نافذ کرے۔

۶- آزادیِ تعلیم

قانوناً ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ (اصاحب السیاست الشرعیہ علامہ عبدالوہاب مصری فرماتے ہیں)

احکام و امثال :- اسلام نے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کا درجہ بھی یکساں ماننے سے انکار کر دیا ہے :- ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون پھر "علم" کو خاص معنوں میں مخصوص بھی نہیں کیا گیا ہے۔ ہر وہ علم جس میں مصالح دینی یا دنیوی وابستہ ہوں اس کا حصول مطلوب ہے

علومِ مختلفہ کا حصول

یہ بات اصول اسلام کے خلاف ہے کہ اس علم کا دائرہ کسی خاص علم کے ساتھ محدود کر دیا جائے یا وہ تعلیم کے راستے میں روک بن کر کھڑا ہو جائے۔ بلکہ حوادث تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے بلاد و امصار کو مختلف علوم کا مرکز بنا رکھا تھا اور اپنے نظریات کی وسعت کے لیے علماء نے غیر اسلامی علوم سے بھی استفادہ کیا اور انہیں وسعت دی۔ ہر اہلِ علم جانتا ہے کہ ابن مقفع وغیرہ نے فارسی علوم کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خلیفہ منصور ہارون و مامون کے زمانہ میں یونانی علوم معرب بنائے گئے۔ چنانچہ بغداد، قرطبہ اور سمرقند کے تاریخی درسگاہیں علم و تعلیم کی کثرت اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اسلام نے حریتِ علم اور اشاعتِ تعلیم کو کس درجہ اہم مانا ہے۔

ممالک غیر سے خط وکتابت نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یورپ میں سلطنت روم سے افریقہ میں مملکت حبش میں سے مقبوضات مصر سے اور ایشیا میں سلطنت فارس ریاست حیرہ وانبار (عراق) اور ریاست غسان (شام) سے نامہ و پیام جاری ہوا تھا

صیغۂ تراجم روض الانف ج ۲ ص ۳۵۲ ص ۳۵۹) زید بن ثابت عہد نبوی میں صیغۂ تراجم کے ذمہ دار اعلیٰ تھے

غیر اسلامی زبانوں کو سیکھنے کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم دیا، انہوں نے اس کی تعمیل کی زید بن ثابت کہتے ہیں (ما مرت خمس عشرۃ لیلۃ حتی حذقتہ) پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں نے یہود کی زبان میں کمال حاصل کر لیا۔ (قال الامام احمد ... عن خارجہ بن زید۔ البخاری فی الاحکام عن خارجہ ابوداود عن احمد بن یونس قال الترمذی حسن صحیح دیکھو تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۴۹) ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے زید کو سریانی زبان سیکھنے پر مامور کیا اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں یہ زبان سیکھی اس زبان کے علاوہ زید بن ثابت نے دوسری اجنبی زبانیں سیکھیں، سفیر ایران سے فارسی، دربانِ نبوت سے رومی، یونانی، آپ کے ایک خادم سے حبشی اور ایک تیسرے خادم سے قبطی زبان سیکھی (عقد فرید بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ) (کرد علی ج ۱ ص ۱۶۳

زید بن ثابت آنحضرت کے عہد نبوت کے فرامین غیر ملکی زبانوں میں حضور میں دوسری حکومتوں کو سرکاری طور پر خطوط لکھتے تھے۔ ان کی زبانوں میں اسلامی فرامین لکھتے تھے اور باہر سے جو پیغام آتے تھے ان کا ترجمہ کرتے تھے (عمدۃ تلمسانی بحوالہ نبوت و سلطنت حامد ص ۹)

عبداللہ بن زبیر اور غیر زبانیں دوسرے صحابہ بھی غیر ملکی زبانیں جانتے تھے عبداللہ بن زبیر متعدد غیر ملکی زبانوں پر عبور رکھتے تھے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۹) کان لابن زبیر مائۃ غلام ویتکلم مع کل غلام منھم بلغتہ غیر اخری

ان تمام نظائر خیر القرون سے علم اور تعلیم کی وسعت وکثرت کا اسلامی نظریہ واضح ہو جاتا ہے۔ پھر یوں بھی دیکھئے کہ مسلمان بحث و گفت گو اور افہام و تفہیم میں کس طرح کسی حریف کے مقابل آسکتے تھے۔ اگر وہ انواع علوم و فنون سے بے خبر رہتے جن کی ہر زمانہ میں مختلف انداز سے ضرورت لاحق ہوتی ہے؟

عجائبات قدرت کے مشاہدات کیلئے نظریات علم سامنے ہوں اسلام باربار دعوت دیتا ہے کہ ملکوت السمٰوات والارض کی براہین و دلائل پر غور کرو، عجائبات قدرت "اور معجزات فطرت کا مشاہدہ کرو جب تک بہت سے نظریات علم سامنے نہ ہوں زمین و آسمان میں اللہ کی نشانیاں دیکھنے والی نظر پیدا ہی نہیں ہو سکتی اور مسلمان اللہ تعالےٰ کے اس حکم کا مکلف کیونکر ہو سکتا ہے واعدّو لهم ما ستطعتم من قوة

لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام حریت تعلیم کو تسلیم کرتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اس کو ہر مسلمان مرد عورت پر فرض قرار دیتا ہے۔

مُساوات

مساوات اسلام کا طغرائے امتیاز ہے اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں لا فضل لعربی علی العجمی (الخ) قانونِ اسلام کی نظر میں کوئی تفریق، کوئی امتیاز کسی کے ساتھ روا نہیں، اسلامی حکومت کا سب سے بڑا عہدیدار خلیفۃ المسلمین ہو یا ایک عامی دونوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔[1]

مساوات حقوق :- اسی طرح حقوق کے تمتع میں اسلام اپنے افراد کے لئے کوئی امتیازی حقوق تسلیم نہیں کرتا۔ وہ عمل کو بنیاد فضیلت قرار دیتا ہے اور ہر عامل کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جہاں تک جا سکتا ہے جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے مناصب میں معمولی عہدہ سے لے کر بڑے بڑے منصب تک امت کا ہر فرد بآسانی پہنچ سکتا ہے، اس راستہ میں حسب نسب ذات پات قبیلہ اور خاندان رنگ اور قوم ملک اور وطن کی کوئی عصبیت حائل نہیں ہو سکتی۔ اَلنَّاسُ سَوَاءٌ فِیْہِ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ لَا فَضْلَ لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِعَرَبِیٍّ عَلَی الْعَجَمِیِّ

احکام اسلام میں مساوات :۔ اسی طرح احکام اسلامی میں بھی سب لوگ برابر ہیں نماز میں ہر مسلمان صف باندھنے سے کاندھا ملا کر کھڑا ہونے پر مجبور ہے محمود و ایاز کا کوئی فرق نہیں، حج میں ہر مسلمان (بلا تمیز و تفریق) مجبور ہے کہ ایک لباس پہنے۔ سلا ہوا لباس نہ پہنے سر کھلا رکھے۔ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، وغیرہ کے احکام میں سب کے لئے مساوی احکام ہیں

پابندی قانون میں مساوات۔ جرائم اور سزا کے قانون میں بھی اصول مساوات کارفرما ہے۔ النفس بالنفس والعین بالعین والجروح قصاص ۔جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ (نیز) خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

ولکم فی القصاص حیاۃ کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمہارے لئے مساوات اور مماثلت میں حیات ہے۔ (فتح الرحمٰن)

حالت جنگ و حالت امن اور ہر حالت میں مساوات :۔ یہ مساوات حالت جنگ حالت امن، اور ہر حالت میں مسلمانوں کا شعار ہے اس نعمت سے صرف مسلمان، ہی بہرہ مند ہوتے تھے بلکہ ذمی اور معاہد بھی پوری طرح اس سے مستفید ہوتے تھے۔ لھم مالنا وعلیھم ماعلینا شارع علیہ السلام کا دوسرا ارشاد ہے من اذی ذمیا انا خصمہ یوم القیامۃ جس نے کسی ذمی کو تکلیف پہنچائی تو قیامت کے دن میں اس کا دشمن ہوں گا۔

معاشی مساوات آنحضرت کا ارشاد بلیغ یسکنہ ثوب یواری عورتہ وجلف الخبز والماء۔ مکان کپڑا روٹی اور پانی کے سوائے انسان کا کوئی حق نہیں ہے تمام روئے زمین کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حصہ ہے۔ متوازن اور عادلانہ تقسیم معاش حکومت الٰہیہ کی ذمہ داری ہوگی۔

معاشی و اخلاقی نظام

۱- خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (آلِ عمران)

۲- وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ○ (الحجر ۱۵/۲۰)

۳- وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ج
فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ط اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ (النحل ۱۶/۱۲)

۴- وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَاتَهَا فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط
سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (حٰم السجدہ ۱۰)

۱- یعنی زمین کی تمام پیداواریں تمام انسانوں کے لئے ہیں

۲- یعنی اے نوعِ انسان! ہم نے تمہارے لئے اور ان کے لئے جن کے رازق تم نہیں ہو (مثلاً چرندے، پرندے، درندے وغیرہ) زمین میں معاش مہیا کی ہے۔

۳- خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پھر وہ لوگ جن کو فضیلت دی گئی ہے۔ وہ فاضل رزق کو اپنے زیرِ دستوں تک نہیں پہنچاتے۔ حالانکہ وہ اس میں برابر کے حقدار ہیں تو کیا وہ خدا کی نعمت کے منکر ہیں۔

۴- اللہ نے زمین میں انواعِ معاش پیدا کیں چار دن میں، معاش کے طالبوں اور سائلوں کے لئے بحق مساوی۔

صرف اسلام ہی سلامت روی کے ساتھ سفرِ زندگی میں ہر انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے

تمام دنیا کے مذاہب میں یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ سلامت روی کے ساتھ سفرِ زندگی طے کرنے کا سب سے زیادہ آسان اور موصل الی المقصود ذریعہ ہے، اور آسمان و زمین کی ...

... بادشاہتوں کے قوانین کا مجموعہ ہے، دین و دنیا کے قواعد وضوابط کو جامع ہے۔ فقیر ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا گدا، دیندار ہو یا کاروباری، سپہ سالار ہو یا سپاہی، حاکم ہو یا محکوم، فاتح ہو یا مفتوح، تاجر ہو یا کاسب، آجر ہو یا مستاجر، سرمایہ دار ہو یا مزدور، زمیندار ہو یا کاشتکار، کسی طبقہ کا کوئی انسان ہو، اسلامی قانونِ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی زندگی کا مکمل پروگرام اس کو بتا سکتا ہے

عبادات معاملات کا جامع آئین

عبادات و معاملات کا جامع و مانع آئین موجود ہے عبادات کے تحت میں حقوق الہیہ سے عہدہ برآ ہونے کے تفصیلی قواعد موجود ہیں۔ معاملات کے عنوان سے حقوقِ انسانی کی ادائیگی کے لئے مفصل احکام موجود ہیں

پیدائش سے لیکر موت تک انسانی زندگی کے تمام مراحل کیلئے ضابطہ معینہ

پھر پیدائش سے لے کر طفولیت، شباب، پیری، موت، تجہیز، تکفین، تدفین، تہنیت، تبریک، تعزیت، شادی، غمی کے خاص خاص مواقع کے لئے ضابطہ مقرر ہیں۔ کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے

چلنے، پھرنے، رہنے، سہنے، بات چیت کرنے کے طریقے بتلائے گئے ہیں۔ نفسِ انسانی کی گوناگوں کیفیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، دوستی، دشمنی، نرمی و سختی، ظلم و رحم دلی، حلم و غضب، عفو و انتقام کی حدیں متعین کی گئی ہیں۔ اخلاقِ انسانی کی تکمیل کے لئے صبر و ضبط، عزّ نفس و خودداری توکل و قناعت، عالی ہمتی و اولوالعزمی، حق گوئی و بیباکی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی کا کوئی زاویہ ایسا نہیں ہو سکتا جہاں اسلام اس کی رہنمائی کے لئے خضرِ راہ بننے کو تیار نہ ہو۔

کمیونزم، مساواتِ اسلام کے آفتابِ نصف النہار کی ایک شعاع ہے، جس کی جوت سے دنیا کی آنکھیں چکاچوندھ ہو رہی ہیں۔ اسلام کے روشن اصولوں میں سے "صرف مساوات" کو لے کر، کمیونزم میدانِ عمل میں آیا ہے۔ وہ مساوات بھی ناقص اور ناتمام، مگر پھر بھی دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ سلطنتوں کے سوانگ بگڑتے جا رہے ہیں۔ جمہوریتوں کے ڈھونگ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ کمیونزم نہیں "نظریہ مساوات" دنیا پر چھایا جا رہا ہے۔

تاریخ کے کسی دور میں بھی خواص کی اکثریت نہیں پائی جاتی۔ ہمیشہ عوام ہی کی اکثریت رہی ہے۔ عوام کو مذہبی یا سیاسی فلسفوں اور عالمانہ دقیقہ سنجیوں اور حقائق فہمیوں سے کیا علاقہ؟ اَلعَوَامُ کَالْاَنْعَام مقولہ مشہور ہے۔ اُن سے کسی ذی عقل کو یہ توقع نہ رکھنی چاہئیے کہ وہ کمیونزم کے فلسفہ کو سمجھ لینے کے بعد کمیونزم قبول کریں گے یا اپنے مذہبی، یا سیاسی عقائد کو انھوں نے اس درجہ پر سمجھ رکھا ہے کہ اس کے خلاف اور کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں۔ یہ بات علم و فہم رکھنے والے افراد کا حصہ ہے۔ عوام سے اس کی توقع غلط ہے۔ عوام ہمیشہ سطحی نظر رکھتے ہیں۔ صرف ظاہری ماحول اور اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہر حکومت خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، شخصی ہو یا جمہوری، عوام میں کبھی مقبول نہیں ہو سکتی جب تک وہ عوام کی زندگی کے مطالبات کو پورا کرنے میں کامیاب نہ ہو۔ خواہ اُس حکومت کا نصب العین کتنا ہی اعلیٰ و ارفع کیوں نہ ہو۔ اسلام کی عمومیت اور حیرت انگیز وسعت و ترقی کا راز اس میں مضمر

تھا کہ سابقہ مذاہب کے فلسفے جو دنیا کو قابلِ ترک قرار دیئے ہوئے تھے اسلام نے اُس دنیا کو دین سے علیحدہ نہیں رکھا بلکہ دین و دنیا کو لازم و ملزوم، کر دیا مطالباتِ زندگی کو ناقابلِ انکار حقیقت اور زندگی کو ناقابلِ تقسیم چیز قرار دیا۔ مسلمانوں کی دنیاوی اور دینی زندگی ایک ہی ہے۔ مسلمانوں پر جس طرح عبادت فرض ہے، کسبِ معاش بھی فرض ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الآخِرَۃِ حَسَنَۃً اُسے نہ دین کو بھولنے کی اجازت ہے، نہ دنیا کو بھولنے کی وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا (اپنے دنیا کے حصّے کو نہ بھول)

اسلام کے زمانۂ فتوحات میں مسلمانوں کے عوام سے فیاضانہ اور رحمدلانہ سلوک مساواتِ حقوق کو اور حسنِ اخلاق کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ تسخیرِ ممالک تلوار سے ممکن ہے، مگر قلوبِ انسانی کی تسخیر صرف حسنِ اخلاق اور عدل و مساوات سے ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔

اسلام سے قبل صدہا قسم کی زیادتیاں اور ناانصافیاں انسانوں پر انسان کرتے تھے، مالکِ زمین طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ مسلمان جہاں پہنچے، یہ مظالم اور درازدستیاں غائب ہوئیں اور عدل و مساوات کا دور دورہ شروع ہُوا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان جدھر رُخ کرتے، اُن کے حُسنِ سلوک، عدل و مساوات کے چرچے اُن سے پہلے وہاں جا پہنچتے اور وہاں کے عوام دل سے ان کے خیر مقدم اور استقبال کو موجود ملتے تھے۔ فتح و ظفر اُن کے پاؤں چومتے تھے۔

خراج کی آمدنی تمام مسلمانوں پر مساوی تقسیم ہوتی۔ غنائم فوجیوں میں برابر تقسیم ہوتے۔ نادار اور معذوروں کی کفالت بیت المال کرتا تھا۔ غیر مسلموں کو بھی مساوی حقوق حاصل تھے۔ مسلمان ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ ان کی زمینوں کا خراج نہ تھا۔ زکات اور عُشر مسلمانوں سے لیا جاتا تھا اور وہ اُنہی کے غریب بھائیوں پر نہایت امانت و دیانت سے خرچ ہوتا تھا۔ کاشتکار، مزدور، غریب، مظلوم اور مسکین طبقے کے لئے کھلی ہوئی آغوشِ رحمت تھا۔ دُکھیاروں اور ستم رسیدہ انسانوں کے لئے اسلام جائے پناہ تھا۔

اسلام کی عمومیت کا راز، فلسفہ، منطق، فقہ، صنائع و بدائع و معانی و تفاسیر کی موشگافیوں میں نہ تھا۔ عوام کی زندگی کے سیدھے سادے مسائل کو آسان طریقہ پر جلد سے جلد حل کرنے میں مضمر تھا۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے معنی

(انفاق فی سبیل اللہ) خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے معنی سمجھنے میں بڑی بڑی غلطیاں اور غلط فہمیاں رائج ہو گئی ہیں۔ خرچ کرنے کے طریقے نہایت مبتذل اور بے ضابطہ اختیار کر لئے گئے ہیں۔ اُن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خُدا کے لئے خرچ کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خدا کے ان بندوں پر خرچ کیا جائے جو پریشان حال اور ضرورتمند ہیں۔

اللہ کا یہ فرمانا کہ میں نے کھانا طلب کیا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا

ایک مشہور حدیث میں ہے :- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دریافت کرے گا اِنّی مرضت فلم تعدنی انی استطعمتک فلم تطعمنی (میں بیمار ہوا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔ میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔)

بیماروں، بھوکوں، پیاسوں اور حاجت مندوں کی جگہ اللہ تعالیٰ خود کو قائم فرما کر اس قسم کے جواب طلب کرے گا کہ سننے والوں کو تعجب ہو گا۔ وہ کہیں گے :- یا رب کیف اطعمک وانت رب العٰلمین (اے اللہ میں تجھے کیسے کھلا سکتا تھا؟ آپ تو خود سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں)

اللہ تعالیٰ فرمائیگا :- اِمّا علمت انہ استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہٗ لو اطعمتہٗ لوجدت ذالک عندی (کیا تجھ کو یاد ہے کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اُس کھانے کو میرے پاس پاتا) اسی بازپُرس سے محفوظ رکھنے کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (سائل کو نہ جھڑکو) ولینصرن اللہ من ینصرہٗ (الحج) یعنی اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے۔ اَقْرِضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا (مزمل) (اللہ کو قرضِ حسنہ دو) قابلِ غور یہ بات ہے کہ اللہ کی مدد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ — یہی کہ بندگانِ خدا کی مدد کی جائے۔

اللہ کو قرض دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ — یہی کہ بندگانِ خدا کی مالی مشکلات دور کی جائیں۔

گداگری کے اصل محرکات

یہ بھیک مانگنے والے خستہ حال انسان انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ انسانیت کو شرمانا چاہیے۔ گداگری کا انسداد، محض قانون بنا کر نہیں کیا جا سکتا۔ گداگری کے اصلی محرکات کیا ہیں؟ — انھیں سمجھنا ہوگا اور ان کا حل تلاش کرنا پڑے گا —

بہرصورت وہ حل، صرف معاش کی صحیح تقسیم ہے۔

آنچہ بخود نہ پسندی بدیگراں میپسند

ایمان داری کا تقاضا یہ ہے کہ:- آنچہ بخود نہ پسندی بدیگراں میپسند، جو بات آپ اپنے لیئے پسند نہیں کرتے، وہ دوسروں کے لیئے بھی پسند نہ کریں۔ کیونکہ وہ بھی آپکے بھائی ہیں۔ آپ جیسے انسان ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لایومن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ مایحبُّ لنفسہ (بخاری)

یعنی، "تم میں کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ نہ چاہے جو خود اپنے لئے چاہتا ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے کے موید تھے۔ وکذالک یروی عن علی التسویۃ ایضاً ولکلا الوجہین مذہب (کتاب الاموال ص۲۶۴)

خیبر کی بٹائی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاش کی مساوی تقسیم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے اتباع میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح خیبر کے بعد یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصہ دیں گے یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو بھیجتے

تھے۔ وہ غلّے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو یہود اس پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔

(علامہ شبلی، بحوالہ "فتوح البلدان" ص۱۷ (ابوداؤد)

●

آج دنیا میں ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو کمالِ انسانی سمجھنے لگا ہے، ساری خرابیاں معاشرے میں اسی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ہر شخص مساوات مساوات کہتا ہے مگر میدانِ عمل میں اپنے لئے سب کچھ اور دوسروں کے لئے کچھ نہیں، جب تک دنیا اسوۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لائحۂ عمل نہ بنائیں گی، انسانیت کی نجات ناممکن ہے۔ کوئی "ازم" انسانیت کا مُربّی نہیں۔ سوشلزم یا نیشنلزم، نازی ازم ہو یا کمیونزم ـــ انسان اور انسانیت کے لئے سمِ قاتل ہیں انسانیت کا سرچشمۂ حیات، اخلاقِ فاضلہ کا معدن، عدل و مساوات کا اصل اصول، پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ نے چند روز میں صدیوں کی راسخ شدہ عادات کی جڑیں، نفسِ انسانی سے اکھاڑ کر پھینک دیں اور ایسی جماعت تیار فرمائی جس کا ہر فرد اپنے سے زیادہ اپنے بھائی کا بھلا چاہتا تھا۔

ایثار کا جذبہ مساوات کا مُربّی ہے

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ جذبۂ ایثار ہی مساوات کا مربی ہے۔

بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرما دیجئے۔ پھر ہم اپنا حصہ لینا منظور کریں گے (بخاری۔ فضائل انصار)

خود بھوکے رہے اور مہمان کو کھلایا

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔ کوئی ہے جو آج ان کو اپنا مہمان بنائے۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ اسے اپنے گھر لے گئے بیوی نے کہا:۔ صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انہوں نے کہا، چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے

سامنے لاکر رکھ دو۔ تینوں کھانے پر ساتھ بیٹھے رمیاں بیوی بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے جیسے کھانا کھا رہے ہوں۔ اسی واقعے کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ویؤثرون علیٰ انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ (حشر) خواہ خود اُن پر تنگی ہو پھر بھی وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ (بخاری، فضائل انصار)

انصار کا ایثار ۴ھ سنہ ہجری بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں، اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے اور نئے بھی ان ہی کو عنایت فرمائیے۔ (فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ ص۲۰)

حضرت علیؓ کا ایثار حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں کئی وقت کے بعد کھانا میسر آیا۔ سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جو کچھ تھا، پیش کر دیا۔ خود اللہ میاں کے مہمان ہو گئے۔ یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ (الدھر)

ایثار، مساوات سے برتر مقام ہے جہاں ایثار کا یہ عالم ہو، وہاں مساوات کی اعلیٰ سے اعلیٰ نظیر بھی اس "ایثار" کی برتری کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ مساوات میں طرفین کی برابری لازم ہے۔ مگر ایثار کی ان مثالوں میں ایک فریق اپنا جائز حصہ بھی، سب کا سب دوسرے فریق کو بطیب خاطر دے رہا ہے۔ خود بھوکے ہیں مگر اپنے بھائی کا پیٹ بھر رہے ہیں۔ جاگیریں جائیدادیں دی جاتی ہیں۔ مگر نہیں لیتے۔ کہتے ہیں پہلے ہمارے بھائیوں کو دو ـــــ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ لطف و کرم اور بذل و ایثار کا ایک قرن ہے اس لئے ہر قرن کی نجات کے لئے وہ ایک لمحہ اسوۂ حسنہ ہے۔ وَلکم فی رسول اللہِ اسوۃ حسنۃ، کتنے قرن گزر گئے؟ مگر ہر لمحہ انسانیت اپنے مرکز سے دور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک وہ لمحہ نہ آیا ؎

روتا ہوں آج تک تری پہلی نظر کو میں
وہ لمحہ کیا گیا کہ گیا عمر بھر کو میں!

ہر کہ دریں بزم مقرب تراست
جام بلا بیشترش می دہند

اَلْبَلَاءُ بِقَدْرِ الْوِلَا
نزدیکاں را بیش بود حیرانی

●

ایک دفعہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں۔ مجھ کو ایک خادم عنایت ہو۔ تو فرمایا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صُفّہ والے بھوکے رہیں۔" چہیتی بیٹی پر مسکینوں کو ترجیح دی گئی۔

ابتدائی زمانہ سے لے کر فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جانے تک شاہانہ انداز امیرانہ ٹھاٹھ آپ کی مقدس زندگی میں نہ آئے۔ صحابہ کبار آپ کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تو فرماتے:۔

لا تقوموا کما یقوم الاعاجم لملوکھم جیسے عجمی اپنے بادشاہوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، میرے لئے کھڑے نہ ہوں۔ فتح مکہ کے بعد، علامہ شبلی کے الفاظ ہیں:۔

شاہنشاہئ اسلام کا یہ پہلا دربارِ عام تھا۔ خطبۂ سلطنت، یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر، خلافتِ الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہلِ مکہ سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

یامعشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب (اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں)

خطبہ کے اصولی مطالب کا ذکر اور توضیح بیان کرتے ہوئے، علامہ شبلی فرماتے ہیں:۔

عرب اور تمام دنیا میں نسل و قوم اور خاندان کے امتیاز کی بنیاد پر ہر قوم میں فرقِ مراتب قائم کئے گئے ہیں۔ جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے مرتبے سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے

اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام کا قائم کرنا تھا یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل شاہ و گدا سب برابر ہیں، ہر شخص ترقی کر کے انتہائی درجے پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ تم سب اولادِ آدمؑ ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے" (سیرۃ النبی ج ۱۔ ۵۱۹)

مفتوح و محکوم افراد، فاتح اور حاکم سے کیا امید کر سکتے ہیں؟ آج اس زمانے میں جو ترقی و تہذیب کا زمانہ مشہور ہے، اس کی زندہ مثالیں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ جرمنی اور جاپان کے مفتوح ہونے کے بعد تمام ذی اثر اور با اقتدار جرمنوں اور جاپانیوں کو مجرمینِ جنگ قرار دیا جا کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ باقی ماندہ عوام کی زندگی تاوانِ جنگ کا خمیازہ اٹھا رہی ہے۔ مگر اسلام مفتوح قوم سے کیا سلوک کرتا ہے؟ وہ افراد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے، اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے فاتح کی زبان سے سننے کو حاضر ہیں۔ آپ دریافت فرماتے ہیں: تم کو معلوم ہے تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونیوالا ہے؟

جنگی قیدی عرض کرتے ہیں:۔ اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ (آپ کریم ابنِ کریم ہیں

حضور نے فرمایا:۔ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

(تم سے کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو)

کفارِ مکہ نے مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا اب وہ وقت تھا کہ مہاجرین کو وہ مکانات دلائے جاتے، لیکن آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین اپنے مکانوں سے دست بردار ہو جائیں۔

خطبۂ فتح میں آپ نے عام مساوات انسانی کا اعلان فرما کر اور کفارِ مکہ کو آزادی عطا فرما کر، انسانی شرف پر وہ مہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیگی۔

میں ڈرتا ہوں کہ معاشی تقسیم کے سلسلہ میں کہیں ان واقعات کو غیر مربوط نہ سمجھ لیا جائے اس لئے یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ نوعِ انسانی میں معاش کی مساوی تقسیم کا نظریہ، اس وقت تک تشنۂ تعمیل رہیگا جب تک کہ ہم اپنی اُن مشکلات کی (جو مواخات کا حکم رکھتی ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و ابرو کے اشاروں سے گرہ کشائی نہ کریں۔

معاشی مساوات

- اسلامی معاشرے کا سنگِ بنیاد مساوات ہے۔ عدم مساوات سے معاشرے میں طبقاتی امتیازات پیدا ہوتے ہیں جو وحدتِ قومی کے شیرازے کو منتشر کر دیتے ہیں۔
- معاشی عدم مساوات، وحدتِ قومی کے حق میں زہرِ قاتل ہے
- اسلام اجازت نہیں دیتا کہ وسائلِ معاش پر کچھ افراد قابض ہو کر معاشرے کو زبوں حالی اور افلاس میں مبتلا کر دیں۔ احتکار اور اکتناز دونوں جرم ہیں
- حصولِ معاش کے مواقع سب کو میسر ہوں۔ وسائلِ معاش سے مساوی طور پر سب مستفید ہو سکیں۔
- کھانا، پانی، دوا، لباس، مکان سب کو مہیا ہوں۔
- کوئی فرد بیکار نہ رہے
- جو کار گزار ہیں، ان کو محنت کا صلہ معقول ملے۔

ہمارے اجتماعی نقطۂ نظر سے تمام انسان ایک مشترکہ خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں[۱] جغرافیائی حدیں رنگ ونسل کا امتیاز، خیالات واعتقادات کا اختلاف، زبان اور تہذیب کا فرق ہمارے انسانی اشتراک میں مانع نہیں ہو سکتا ہم سب انسان ہونے کے رشتہ میں برابر ہیں[۲] تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے[۳] تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں خواہ وہ اونچے طبقے کے ہوں یا نیچے طبقہ کے ہوں[۴] اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ عالمگیر نظام مملکت پاکستان میں عملاً رائج کیا جاتا ہے اس کی کامیابی معاشی مساوات پر منحصر ہے

معاشی نظام

کتاب وسنت کی روشنی میں معاشی نظریہ مساوات پر مبنی ہے ـــــ حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے کنبے کو (۱) رہنے کے لئے مکان (۲) پہننے کو کپڑا (۳) پیٹ بھرنے کو روٹی (۴) پینے کو پانی مہیا کرے کیونکہ یہ چاروں چیزیں معاشرہ کے ہر فرد کے لئے شارع علیہ السلام نے لازمی قرار دی ہیں[۵] اللہ کے بندوں کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر سمجھا جائے[۶]

حوالہ جات:- (۱) خلقکم من نفس واحدہ (القرآن) الحمد للہ رب العالمین (القرآن) وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین القرآن

(۲) الناس من آدم وآدم من تراب (الحدیث) ومن ایاتہ اختلاف السنتکم والوانکم (القرآن)

(۳) الخلق عیال اللہ (الحدیث) (۴) الناس شریفھم ووضیعھم فی ذات اللہ سواء (عمر ابن خطاب رض ابن کثیر ص ۳۵)

(۵) لیس لابن آدم حق فی سوی ھذہ الخصال بیت یسکنہ وثوب یواری عورتہ والخبز والماء (حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۵)

نظائر (الف) امام یوسف نے حضرت عمر رضی اللہ کا یہ واقعہ کتاب الخراج میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ذمی یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ وہ حکمراں خدا کے سامنے سخت مواخذہ میں گرفتار ہوگا جس کے قلمرو میں ایک بھکاری بھی بھیک مانگنے پر مجبور ہو -

(ب) خراج کی آمدنی چونکہ فیئ لجمیع المسلمین ہے حضرت خلیفۂ اول نے برابر برابر تقسیم فرمائی[7] لوگوں نے کہا بھی خدمات اور اپنے کارہائے نمایاں یاد دلائے مگر حکم ہوا کہ خدمات کا صلہ اللہ دیگا معاش دنیوی میں مساوات ہی بہتر ہے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے[8]

(ج) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آغاز خلافت میں السابقون الاولون کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا مگر آخر میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو مفید سمجھا[9]

(د) خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی نصف بیت المال مہمانی سفارت وغیرہ کے لئے قائم کر دی گئی - نصف مجاہدین پر جو غزوہ میں شریک تھے برابر تقسیم کی گئی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں بھی عام مجاہدین کے برابر ایک حصہ آیا[10]

خراج کی آمدنی تمام مسلمانوں پر برابر تقسیم ہوتی تھی - غنائم فوجیوں پر مساوی تقسیم ہوتے تھے - معذوروں کی کفالت بیت المال سے ہوتی تھی - غیر مسلموں کو بھی مساوی حقوق حاصل تھے - مسلمان ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے کا خراج نہ تھا زکات اور عشر لیا جاتا تھا - اور انہی کے غریب بھائیوں پر نہایت دیانت و امانت سے خرچ کیا جاتا تھا حالانکہ اسلام سے پہلے صدہا قسم کی زیادتیاں انسانوں پر انسان کرتے تھے مالک زمین طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے

---

(۷) قسمہا بالسویۃ علی الصغیر والکبیر والذکر والانثیٰ (کتاب الخراج ابو یوسف)

(۸) فہذہ المعاش فالاسوۃ فیہ خیر من الاثرۃ (الخراج)

(۹) لالحقت اخری الناس باولہم حتیٰ یکونوا فی عطاء سواء (کتاب الخراج)

(۱۰) والرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مثل سہم واحد ہم (علامہ شبلی بحوالہ فتوح البلدان)

جہاں مسلمان پہنچے یہ نا انصافیاں غائب ہوئیں اسلام انسانیت کے لئے رحمت تھا۔ دکھیاؤں اور ستم رسیدہ انسانوں کی جائے پناہ تھا غیر مسلم اقوام کے قلوب مسلمانوں کے لئے آغوش تھے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ مسلمان ان کے ملکوں میں آئیں اور مصائب سے نجات دلائیں۔ آج اسلامی جمہوریت کا معاشی نظام مندرجہ بالا قوانین و نظائر کی روشنی میں حسب ذیل اصولوں پر مرتب کر کے پاکستان کو بدترین معاشی غلامی سے آزاد کیا جا سکتا ہے

دفعہ ۲ :۔ پاکستان کا معاشی نظام مندرجہ ذیل نقطۂ نظر سے صورت پذیر ہوتا ہے

الف :۔ معاشی مساوات : انسانی مساوات کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے کوئی انسان اِس فطری مطالبہ کے حق سے پاکستان میں محروم نہ ہوگا

ب :۔ تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے اللہ نے سب کے رزق کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے پاکستان کا نظام نیابتی جو اللہ کی زمین پر نیابتاً حاکم ہے معاش کی عادلانہ اور مساوی تقسیم کا ذمہ دار ہے۔

ج : اللہ کی زمین اللہ کے کنبہ پر عادلانہ تقسیم ہونی چاہیئے۔ یہ زمین سب کے لئے ہے اس کی پیداوار سب کے لئے ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا (القرآن) کوئی اپنے حصہ سے محروم ہو سکتا ہے نہ حصہ سے زیادہ کا مستحق ہے

د : حکومت کے عہدیداروں کا حق، افراد جمہور کے برابر ہے (حدیث ترمذی)

ہ بدترین حکومت وہ ہے جس میں انسان بھیک مانگنے پر مجبور ہو یا بھوکا سوئے اس لئے جمہوریہ پاکستان کا فرض ہے کہ وہ بھوک اور افلاس کو عوام سے غروب آفتاب سے پہلے پہلے دور کر دے

معاشرے کو متوازن رکھنے کے لئے آمدنی کی مدات

دفعہ ۳ :۔ صدقات ۔ زکوٰۃ ۔ اوقاف ۔ خمس ۔ فئی ۔ خراج ۔ عشر، عشیر، ربا۔ ان کے مماثل ذرائع آمدنی سے معاشی توازن کو سنبھالا جائے۔

دفعہ ۴ دفعہ ۳ سے کار برآری ہو اور پسماندہ طبقہ کی معاشی حالت نہ سدھرے تو الضرائب عائد کئے جائیں

دفعہ ۵ ۔ ریفیوجی ٹیکس ۔ انکم ٹیکس ۔ میونسپل ٹیکس، واٹر ٹیکس، ہاؤس ٹیکس جو عوام سے وصول شدہ ہے یا آئندہ وصول ہو عوام کی معاشی اصلاح پر صرف کیا جائے۔

دفعہ ۶ :۔ محصلین زکات وصدقات مقرر کئے جائیں اُن کے فرائض واختیارات معین کئے جائیں

دفعہ ۷ :۔ بیت المال قائم کیا جائے اور اس کے قواعد وضوابط معین کئے جائیں۔

دفعہ ۸ :۔ معاشرہ سے شاہانہ جاگیردارانہ امیرانہ رجحان کا استیصال کیا جائے سادگی اور اعتدال پر توجہ مرکوز کی جائے اس طور پر کہ

دفعہ ۹ :۔ اسباب تعیش کی درآمد بند کی جائے جس ملک میں لوگ بھوکوں مر رہے ہوں اس کی دولت بھاری تعداد میں باہر جاتی ہے اور اس کے بدلے میں وہ چیزیں آتی ہیں جو محض نمود ونمائش کی ہیں ضروریات زندگی میں ان کو کوئی دخل نہیں۔

دفعہ ۱۰ ۔ جو چیزیں پاکستان میں بنتی ہیں ان کی درآمد ممنوع قرار دی جائے۔

دفعہ ۱۱ ۔ پاکستان میں [illegible] کا استعمال ممنوع قرار دیدیا جائے

دفعہ ۱۲ ۔ معتدل اور سادہ زندگی کو معاشرہ کے حق میں متوازن اور ہم آہنگ کیا جائے تو معیار زندگی خود بخود متعین ہو سکتا ہے

دفعہ ۱۳ : محنت کی تمام جائز صورتیں برسرکار رہیں محنت کا بدل معقول دیا جائے انفرادی اور اجتماعی طور پر اجیر ومستاجر میں معاشی مساوات کا نقطہ نظر کارفرما ہے اجیر ومستاجر کی تعریف میں تمام مزدور، خادم، ملازم شامل ہیں اجیر کو مستاجر اپنا بھائی سمجھیں جو خود کھائیں ان کو کھلائیں جو خود پہنیں ان کو پہنائیں[1]۔

اگر معاوضہ محنت نقد کی صورت میں دینا ہے تو اس مقدار میں دیا جائے کہ دیں کھانا کپڑا اُن کو میسر آسکے ۔ اغلب ہے کہ اس وجہ سے ان کو مبالغہ اور تکلف کی زندگی کو چھوڑ کر سادہ زندگی، سادہ کھانا، سادہ پہننا شروع کرنا پڑے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا معیار زندگی عود کر آئے یا مستاجروں کو مبالغہ اور تکلف کی زندگی سے برابر کا حصہ ملے تیسری صورت نہیں ہو سکتی

---

[1] اخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم مما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم (صحیح البخاری)

(۱۴) بغیر جائز محنت کے دولت حاصل کرنے کے تمام ذرائع جرم ہیں معاشرہ کو ان جرائم سے پاک وصاف رکھا جائے، لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ الا ما سعیٰ وان سعیکم لشتیٰ

(الف) سود، سود در سود [۱] — حرم علیکم الربوٰ لاتاکلوا الربوا اضعافاً مضعفۃ

(ب) جُوا، تمار، سٹہ [۲] — والمیسر و الازلام

(ج) دلالی [۳] — تدلوبہا الی الحکام

(د) عصمت فروشی [۴] — ینہاکم عن الفحشاء

(ح) گداگری — لا یسئلون الناس الحافا

(و) رشوت — لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل

(ز) جاگیرداری — ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین (حٰم سجدہ ۱۰)

تشریحات:-

(الف) تجارت سود پر منحصر ہو کر رہ گئی، بینکوں کی معرفت درآمد برآمد ممکن نہیں اور بینکوں کے لئے سود شیر مادر ہے ان سب کا مورث اعلیٰ عالمی بینک ہے اس پر ہماری دست رس نہیں، ایسی صورت میں علماء غور وخوض کے بعد لائحہ عمل مرتب کر دیں اور سودی کاروبار کی جگہ بغیر سودی کاروبار کے امکانات کو بروئے کار لانے کی تجاویز پیش کریں بہر حال اسلامی ممالک میں سودی کاروبار بآسانی ختم ہو سکتا ہے۔

(ب) یہ تو انگریزی قانون میں بھی جرم تھا مگر یہاں رفتہ رفتہ تجارت بن گیا ہے۔ اس کو تجارت سے الگ کیا جانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ محنت سے دولت کمانے کا رجحان زندہ ہو

(ج) دلال ایک ہی وقت میں بائع اور مشتری سے دو متضاد بات کہتا ہے ایک سے کہتا ہے کہ اس چیز کو بیچنے میں فائدہ ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ خریدنے میں فائدہ ہے اس میں دلالی کامیاب ہوتی ہے یہی دلال ہیں جو عوام اور حکام کے درمیان رشوت کا سودا طے کراتے ہیں۔

(۱۵) تجارت اور صنعت وحرفت کی تمام جائز صورتوں کی سرپرستی کی جائے مگر ناجائز تجارتوں کا سدِ باب کیا جائے اس طور پر کہ

(الف) فصل تیار ہونے سے پہلے پیداوار کے سودے نہ ہوں وعدوں پر سٹے نہ ہوں

(ب) کسان اور کاشتکاروں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے نئی فصل کے وقت اجناس پیداوار کے نرخ خود غرض سرمایہ دار نہ گرانے پائیں

(ج) ناپ اور تول کے پیمانوں کی صحت اور ڈنڈی مارنے کم تولنے کا انسداد

(د) احتکار ذخیرہ اندوزی کا سدِ باب والمحتکر ملعون، الحدیث

(ہ) نفع خوری کا انسداد } تحبّون المال حبًا جمًا

(و) بلیک مارکیٹ کا استیصال

(ز) درآمد و برآمد اشیاء کے پرمٹوں کے خرید و فروخت کا انسداد

(ح) پگڑی کی تجارت کا انسداد

(ط) منشیات کی خرید و فروخت

(ی) سامانِ نمود و نمائش کی خرید و فروخت

(ک) حیاسوز منافی اخلاق لٹریچر اور تصاویر کی خرید و فروخت

(ل) اصلی چیزوں کی جگہ بناوٹی یا ملاوٹی چیزوں کا بیچنا یا پاس رکھنا تاکہ اصلی باور کرا کے فروخت کی جائیں

(م) بیجا نفع کمانے کی نیت سے چیزوں کو نہ بیچنا روک رکھنا

(ن) ناجائز طور پر درآمد شدہ چیزوں کو بیچنا یا خریدنا پاس رکھنا

(س) مضرِ صحت، ناقابلِ استعمال خراب چیزوں کو بیچنا

(ع) سود پر اُدھار فروخت کرنا

۱۶۔ سرمایہ کا غلط اور ناجائز استعمال جرم ہے، سوسائٹی کی معاشی اور اخلاقی اصلاح اس امر پر منحصر ہے کہ سرمایہ جائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور جائز طریقوں سے خرچ ہو

۔ مندرجہ ذیل طریقے سرمایہ کی بربادی، سوسائٹی کے اخلاقی اور معاشی بربادی کے باعث ہیں ان کو یک لخت بند کیا جائے گا۔

الف :۔ سود دینا حرم علیکم الربوٰی۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

ب :۔ رشوت دینا تدلوا بہا الی الحکام

ج :۔ جوا، سٹہ قمار } انما الخمر والمیسر والازلام

د :۔ شراب خوری اور نشہ بازی } رجس من عمل الشیطان

ہ :۔ اسراف ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

و :۔ زناکاری لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا

ز :۔ ناجائز رسومات۔ شادی، غمی، وغیرہ واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا

ح :۔ لاٹری، ریس، شرط بد بعضا۔ (سب قمار کی قسمیں ہیں)

ط :۔ ناچ گھروں، قحبہ خانوں کا قیام اور انکا رکن بننا یا تماشائی ہونا یا ان کو چلانا

ی :۔ مخرب اخلاق تصاویر کا دیکھنا دکھلانا یا اس قسم کا لٹریچر شائع کرنا تصنیف و تالیف کرنا

ک :۔ وحدت ملکی اور وحدت قومی کو نقصان پہنچانے والی تحریر و تقریر مضامین و تصانیف فلمیں یا کارٹون بنانا دکھانا شائع کرنا

ل :۔ اسلام اور قائدین اسلام کے خلاف اور پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف ہر قسم کا لٹریچر اسکی ترویج

۱۷۔ دولت کمانے کے وہ تمام ذرائع جو سوسائٹی کی عادات و اخلاق پر خراب اثر نہ ڈالیں اور جن میں امداد باہمی کی روح موجود ہو اور فریقین معاملہ کی باہمی رضامندی سے تعاون و تعامل کے ساتھ عمل میں آئیں جائز قرار دی گئی ہیں اور جن وسائل میں یہ امور مفقود ہیں وہ ناجائز قرار دیئے گئے ہیں، وہ افراد جو کسب معاش و تجارت سے وقتی یا دائمی طور پر مجبور یا معذور ہوں ان کی کفالت بیت المال سے ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں سوسائٹی کے کسی فرد یا افراد کے لئے کوئی وجہ موجود نہیں ہے کہ وہ ان جرائم کے مرتکب ہوں جو جسم انسانی اور مال انسانی سے تعلق رکھتے ہیں

(۱) وہ سرقہ، سرقہ بالجبر، ڈکیتی، استحصال بالجبر، خیانت، نقصان رسانی اور وعادہمی

کے مجرمانہ ذریعوں سے معاش حاصل کرنا سوسائٹی کے اصول تمدن اصول اخلاق کے خلاف ہے اور "نظامِ اجتماعی" کی رُوح، املاد باہمی ان سے فنا ہوتی ہے۔ اموالِ انسانی اِن سے متاثر ہوتے ہیں اس لئے ان جرائم کے انسداد کے لئے عبرتناک سزائیں دی جائیں گی۔

اسلامی آئین میں سرقہ بالجبر، ڈکیتی، استحصال بالجبر سرف جرمِ سرقہ کی مختلف صورتیں ہیں اس سرقہ کے ارتکاب میں جبر کا استعمال ہو تو اس جبر کی سزا قانونِ قصاص کے مطابق (دانت کے بدلے دانت کان کے بدلے کان جان کے بدلے جان (وقس علیٰ ھٰذا) جداگانہ دی جائے گی، مالِ مسروقہ وصول کیا جائے گا، اور سارق کو قطعِ ید کی سزا دی جائیگی تاکہ چوروں کو عبرت اور عوام کو نصیحت ہو۔
اسی طرح وہ تمام افعال جو جسمِ انسانی اور جانِ انسانی کے حق میں نقصان رساں ہیں جرم ہیں:۔
(۱) ضرب خفیف یا شدید (۲) قتلِ عمد (۳) قتلِ انسان مستلزم السزا (۴) زہر خورانی یا ان کی تخویف یا اقدام یا سازش اسی طرح وہ تمام افعال جو منافیِ فطرتِ سلیمہ ہیں جرم ہیں مثلاً لواطت زنا بالجبر اور مطلق زنا۔ برہنگی عریانی فحاشی۔

۱۸۔ حکومت کے بینک میں جو زرِ امانت رکھا جائیگا اس پر حفاظتی اخراجات لئے جائینگے کوئی سود نہ دیا جائے گا حصہ داران منافع میں شریک ہونگے

۱۹۔ بینک سودی کاروبار نہ کریں گے، بلکہ بیت المال کے تحت تجارتی صنعتی، زراعتی ترقی میں مدد دیں گے۔ حکومتِ الٰہیہ کی تمام قلمرو میں بینک کی شاخیں قائم کی جائیں گی تاآنکہ کوئی ضلع یونہی شہر کوئی قصبہ پانچہزار یا اس سے زیادہ آبادی کا بینک سے خالی نہ ہوگا۔ کاشتکاروں کو سود خوروں، ساہوکار سرمایہ داروں سے نجات دلانے کے لئے تقاوی اور امدادی قرض بلا سود بینک سے دیئے جائیں گے، صناعوں اور اہلِ حرفہ کو مالی امداد دیجائے ہر قرضہ، ادائیگی کے اطمینان پر دیا جائے ادائیگی کا اطمینان قرض خواہوں کی جائداد زرعی وسکنی سے ممکن ہے یا کسی ضامن سے۔

مضاربت کی شرائط پر بھی قرضہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۰۔ فصل درو ہونے کے بعد سرمایہ دار نرخ گرا کر کاشتکاروں سے پیداوار خریدتے ہیں۔ اس میں کاشتکاروں کا نقصان ہونے کے علاوہ تمام معاشرے کا نقصان ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کے تمام افراد کھیتوں پر جاکر سستا خریدنے سے رہے۔ اس لئے وہ شہر میں مال آنے پر نرخ بڑھ جانے پر ہی خریدتے ہیں۔ اس طرح ملک کی دولت چند مالداروں کے ہاتھ میں ہی گھرتی نہ رہنی چاہیئے بینک مناسب نرخ پر تمام خام پیداوار کی خریداری کریں گے اور پھر تھوک فروشی کے نرخ پر تمام تاجروں کو فروخت کریں گے، وہ خوردہ فروشوں کو مجوزہ نرخ پر مال مہیا کریں گے۔

۲۱۔ مجوزہ قرارداد کے مطابق (۱) زیادہ غلہ پیدا کرنے کی مہم (۲) مویشیوں کی نسلیں بڑھانے کی مہم (۳) ذرائع آبپاشی اور آلاتِ کشاورزی عام کرنے کی مہم (۴) سبزی ترکاری پھل پھول پیدا کرنے کی مہم مرکزی بینک کی ہدایت اور بیت المال کے ماتحت بینکوں کی زیرِ نگرانی عمل میں آئے گی اسی طرح مقامی ضروریات سے زائد پیداوار کو مجوزہ اسکیم کے مطابق متعلقہ منڈیوں میں پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا۔

۲۲۔ اختتامِ سال پر تجارتی کاروبار کا منافع بعد وضع اخراجات تمام حصہ داروں کو بحساب تقسیم رسدی دیا جائے گا۔ جو اس مضاربت میں بینک کے شریک ہوں گے۔

معاشی توازن کیلئے مداتِ آمدنی، مالی وسائل

۱۔ **زکوٰۃ** ۔ سالانہ محصول جو سرمایۂ اصلی (سونا چاندی، مالِ تجارت اور تجارتی مکانوں پر $2\frac{1}{2}$ فیصد (چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے) ۔ خُذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا (قرآن حکیم توبہ ۱۳)

۲۔ **صدقات** :۔ وہ سرمایہ جو غریبوں کی امداد یا مفادِ عام کے لئے سرمایہ دار بیت المال

کو دیں۔ (البقرہ رکوع ۳۶ بخاری کتاب النفقات علیٰ کل مسلم صدقۃ (عن ابی بردہ)

۳۔خمس:۔ (۱) مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (الانفال ع۵)

(۲) مال رکاز معدنیات و دفائن سے نکلے ہوئے سونے چاندی کا پانچواں

حصہ:۔ (بخاری وفی الرکاز الخمس رکاز کی شرح کے لئے دیکھو الخراج امام ابی یوسف ص۲۳)

۴۔فییٔ:۔ وہ مال جو مرعوب دشمن چھوڑ جاتا ہے۔اور جنگ کے بغیر بیت المال میں آ جاتا

ہے (الحشر اما افاء اللہ) الاحزاب ع۶) (مفردات القرآن امام راغب باب الفاء)

خراج:۔ وہ سرکاری لگان جو غیر مسلم کاشتکاروں پر سالانہ عائد ہوتا ہے اور زمین

ان کے قبضہ میں چھوڑی جاتی ہے۔ شرح خراج حسب قرار دادِ باہمی طے ہوتی ہے۔

(دیکھو الخراج ابی یوسف باب الخارص ۲۴ الخراج ہو الوظیفۃ الخراج ہو الوظیفۃ المعینۃ

الذی توضع علی الارض کما وضع عمرؓ علیٰ سواد العراق)

عشر:۔ مسلمان کاشتکاروں پر عائد ہونیوالا لگان (بارانی زمین پر دسواں حصہ اور

چاہی زمین پر بیسواں حصہ) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ عن عبداللہ ابن عمر فیما سقت

السماء العشر کتاب الخراج ابی یوسف ص۶۹ درمختار ج ۲ ص۶۶،۶۷،۶۸ ج ۳

ص ۳۵۰ (النہایہ ج ۲ باب الحین (عشر زکوٰۃ ما سقتہ السماء)

جزیہ:۔ وہ ٹیکس جو ریاست کی قلمرو میں بسنے والے غیر مسلم افراد سے اُن کی طے شدہ مرضی

کے مطابق لیا جاتا ہے اور اس کے بدل میں ان کی جان مال عزت و آبرو کی حفاظت

کا ذمہ ریاست لیتی ہے۔ (حتی یعطی الجزیۃ عن ید وہم صاغرون)

عشور:۔ وہ محصول جو غیر ملکی مال کی درآمد پر لیا جاتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک یہ محصول معاہدہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ امام اعظم کے نزدیک ان

ممالک کے اموال پر واجب ہوگا جنہوں نے ریاست عامہ کے شہریوں کے مال پر اس قسم

کا محصول عائد کیا ہو۔ (کتاب الاموال لابی عبید قاسم بن سلام ص۵۳۲ کتاب الخراج

۱۳۲ درمختار ج ۳ ص ۳۵۳ باب العشر والخراج)

وقف:۔ وہ جائیداد یا سرمایہ جو خدا کے نام پر شخصی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت

قرار دیدیا جائے۔ (صحیح البخاری عن ابی ہریرۃ خالدرضؓ کے اسلحہ بطور وقف تا یقسم ابن جمیل الخ)

ضرائب:۔ وہ مالی امداد جو امیروں سے غریبوں کے لئے وصول کی جاتی ہے۔
جب معاشرہ میں معاشی عدم توازن ہو تو اس ٹیکس کے ذریعہ معاشی ہم آہنگی اور مساوات قائم کی جاتی ہے، سرمایہ دار اگر اپنی مرضی سے غریبوں کے ساتھ تعاون معاشی قائم رکھیں تو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ یہ ٹیکس ان سے جبراً وصول کیا جائے۔
(محلی بن حزم - ج ۶ ص ۱۵۶ و ۱۵۷) وصیتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ:۔
سرمایہ داروں سے زائد مال لیکر عام غریبوں کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیے
(اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۱ ابن اثیر)

معاشرہ کی معاشی ترقی کے لئے تعاون و تعامل کی مندرجہ ذیل شرعی صورتیں ہیں

اقسامِ تعاون ——— تبرُّع

صدقات:۔ صدقات خوشنودیٔ خدا کی غرض سے دئے جاتے ہیں مگر ان کا مصرف؟
انما الصدقات للفقراء — صدقات محتاجوں کے لئے ہیں

ھدیے اور تحفے:۔ ھدیے اور تحفے اس غرض سے دئے جاتے ہیں کہ جن کو دئے جائیں اُن کی خوشنودی حاصل ہو حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے۔

من اعطی عطاءً فوجد فلیجز بہ — یعنی کسی کو اگر ہدیہ یا تحفہ ملے تو اس کو چاہئے کہ وہ بھی
ومن لم یجد فلیثن فان من اثنی — بدلے میں ہدیہ یا تحفہ
فقد شکر ومن کتم فقد کفر — .... دے، نہ ہو سکے تو اس کی مہربانی کی تعریف کرے جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کر دیا جس نے اس ہدیہ تحفہ کو چھپایا ناشکری کی،

آپس میں ایک دوسرے کو تحفے اور ہدیے دینے کا مقصد یہ ہے کہ نوعِ انسانی میں الفت قائم ہو اور ایک دوسرے کو تحفے پیش کرنے والے باہم دوست ہو جائیں اور ایک

دوسرے کی تعریف کریں، تعریف کیونکر کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ الثناء — جس کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنیوالے کے لئے کہے، اللہ تجھے جزائے خیر دے تو تعریف کا منشا پورا ہو گیا۔

آپس میں تحائف کا مبادلہ وسعت قلبی کا باعث ہے۔

تہادوا فان الھدیۃ تذھب الضغائن وفی روایۃ تذھب وحر الصدر — آپس میں تحفے ہدیے دو اس سے تنگ دلی دور ہوتی ہے۔

کسی کو ہدیہ دیکر، کوئی شے ہبہ (بخشش) کرنے کے بعد اس کو واپس لینا مذموم ہے ارشاد ہوتا ہے۔

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء — ہبہ کردینے کے بعد اس سے منحرف ہونے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کی طرف عود کرتا ہے۔ ہمارے لئے بری مثال نہیں ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جو چیز دی جا چکی اس سے قطع طمع لازم ہے مگر الا الوالد کا استثنا ہے۔ باپ اپنی اولاد کو کوئی شے ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اولاد میں بعض کو بعض پر فضیلت دینا پسندیدہ نہیں۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم فیمن ینحل بعض اولادہ مالم ینحل الآخرہ الیسرک ان یکونوا فی البر سواء قال بلی قال فلا اذا۔

اولاد میں، عطیات اور ہبات کا مساوی نہ ہونا، ان میں باہم عناد و حسد کا باعث ہو سکتا ہے اور نسبت شفقت پدری میں اس سے فرق آنے کا احتمال ہے اس لئے یہ تفریق ناپسندیدہ قرار دی گئی۔

وصیت:۔ اقسام تبرع میں سے ایک قسم وصیت بھی ہے۔

وصیت اُس وقت کی جاتی ہے جب کہ وصیت کرنیوالے کو اپنی موت یقینی نظر آتی ہو دنیا کا یہ قاعدہ جاریہ ہے کہ نوع انسانی میں مشاحت باہمی طمع کے لحاظ سے ملکیت عارضی ہے پھر جب انسان قربِ موت کی وجہ سے اس ملکیت سے مستغنی ہو تو اچھا ہے کہ اس ملکیت کے تدارکات کا تدارک کر دے اور اس وقت جس کا حق اس پر واجب ہے، اس سے سبکدوش ہوجائے۔ حضرت سعد ابن وقاص نے عرض کی یارسول میرے پاس مال کثیر ہے اور ایک لڑکی کے سوا اور کوئی وارث نہیں۔

ان وصی بکلہ او نصفہ، او ثلثہ	میں تمام مال کے لئے وصیت کروں یا نصف کی یا ثلث کی؟

ارشاد ہوا:۔

اوص بالثلث والثلث کثیر	تہائی کی وصیت کرو۔ تہائی بہت ہے

وقف:۔ تبرع کی ایک قسم وقف بھی ہے۔ اہلِ جاہلیت وقف کو نہیں جانتے تھے اس لئے حضور رسالت مآبؐ نے مصلحتوں کی تکمیل کے لئے جو صدقات میں نہیں پائی جاتی تھیں، وقف مستنبط فرمایا کیونکہ انسان اکثر محتاجوں کے لئے مال کثیر صرف کرتا ہے مگر وہ ختم ہوجاتا ہے اور محتاجوں کی ضرورت پھر بھی باقی رہ جاتی ہے اور دوسرے محتاج بھی آ جائیں گے۔ ان سب کا محروم رہنا بھی اچھا نہیں، اس لئے عوام کے لئے اس سے زیادہ اچھی اور زیادہ مفید بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وقف کے نفع سے مسافر اور فقرا استفید ہوں اور اصل چیز وقف کرنے والے کی ملکیت میں بدستور باقی رہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔

ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا فتصدق بہا عمرؓ انہ لا یباع اصلہا ولا یوھب ولا یورث وتصدق بہا فی الفقراء وفی القربیٰ وفی الرقاب و فی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علیٰ من ولیہا ان یاکل منہا بالمعروف ویطعم غیر متمول۔	یعنی تم چاہو تو اصل کو روک رکھو اور اسکی آمدنی کو صدقہ کردو چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اصل نہ تو فروخت ہو نہ ہبہ ہو، نہ میراث ہو بلکہ اس کی آمدنی فقیروں میں قرابتداروں میں، غلاموں کو آزاد کرانے میں خدا کی راہ میں، مسافروں میں مہمانوں میں صرف کی جائے۔ متولی کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس میں سے جائز خرچ لے، اور ناداروں کو کھلائے۔

دوسرے کی تعریف کریں، تعریف کیونکر کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ الثناء — جس کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنیوالے کے لئے کہے، اللہ تجھے جزائے خیر دے تو تعریف کا منشا پورا ہو گیا۔

آپس میں تحائف کا مبادلہ وسعت قلبی کا باعث ہے۔

تہادوا فان الھدیۃ تذھب الضغائن وفی روایۃ تذھب وحر الصدر — آپس میں تحفے ہدیے دو اس سے تنگ دلی دور ہوتی ہے۔

کسی کو ہدیہ دیکر، کوئی شے ہبہ (بخشش) کرنے کے بعد اس کو واپس لینا مذموم ہے ارشاد ہوتا ہے۔

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء — ہبہ کردینے کے بعد اس سے منحرف ہونے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کی طرف عود کرتا ہے۔ ہمارے لئے بری مثال نہیں ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جو چیز دی جا چکی اس سے قطع طمع لازم ہے مگر الا الوالد کا استثناء ہے۔ باپ اپنی اولاد کو کوئی شے ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اولاد میں بعض کو بعض پر فضیلت دینا پسندیدہ نہیں۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم فیمن نحل بعض اولادہ مالم ینحل الآخر ایسرک ان یکونوا فی البر سواء قال بلیٰ قال فلا اذاً

اولاد میں، عطیات اور موہبات کا مساوی نہ ہونا، ان میں باہم عناد و حسد کا باعث ہو سکتا ہے اور نسبت شفقت پدری میں اس سے فرق آنے کا احتمال ہے اس لئے یہ تفریق ناپسندیدہ قرار دی گئی۔

وصیت:۔ اقسام تبرع میں سے ایک قسم وصیت بھی ہے۔

وصیت اُس وقت کی جاتی ہے جب کہ وصیت کرنیوالے کو اپنی موت یقینی نظر آتی ہو دنیا کا یہ قاعدۂ جاریہ ہے کہ نوعِ انسانی میں مشاحت باہمی طمع کے لحاظ سے ملکیت عارضی ہے پھر جب انسان قربِ موت کی وجہ سے اس ملکیت سے مستغنی ہو تو اچھا ہے کہ اس ملکیت کے منازعات کا تدارک کر دے اور اس وقت جس کا حق اس پر واجب ہے، اس سے سبکدوش ہو جائے۔ حضرت سعد ابنِ وقاص نے عرض کی یا رسول میرے پاس مال کثیر ہے اور ایک لڑکی کے سوا اور کوئی وارث نہیں۔

ان اوصی بکلہ او نصفہ، او ثلثہ

میں تمام مال کے لئے وصیت کروں یا نصف کی یا ثلث کی؟

ارشاد ہوا:۔

اوص بالثلث والثلث کثیر

تہائی کی وصیت کرو، تہائی بہت ہے

وقف:۔ تبرع کی ایک قسم وقف بھی ہے۔ اہلِ جاہلیت وقف کو نہیں جانتے تھے اس لئے حضور رسالت مآبؐ نے مصلحتوں کی تکمیل کے لئے جو صدقات میں نہیں پائی جاتی تھیں، وقف مستنبط فرمایا کیونکہ انسان اکثر محتاجوں کے لئے مال کثیر صرف کرتا ہے مگر وہ ختم ہو جاتا ہے اور محتاجوں کی ضرورت پھر بھی باقی رہ جاتی ہے اور دوسرے محتاج بھی آ جائیں گے۔ ان سب کا محروم رہنا بھی اچھا نہیں، اس لئے عوام کے لئے اس سے زیادہ اچھی اور زیادہ مفید بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وقف کے نفع سے مسافر اور فقرا مستفید ہوں اور اصل چیز وقف کرنے والے کی ملکیت میں بدستور باقی رہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔

ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا فتصدق بہا عمر انہ لا یباع اصلہا ولا یوہب ولا یورث وتصدق بہا فی الفقراء وفی القربیٰ وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیہا ان یاکل منہا بالمعروف ویطعم غیر متمول۔

یعنی تم چاہو تو اصل کو روک رکھو اور اسکی آمدنی کو صدقہ کرو چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اصل نہ تو فروخت ہو نہ ہبہ ہو، نہ میراث ہو بلکہ اس کی آمدنی فقیروں میں قرابتداروں میں، غلاموں کو آزاد کرانے میں خدا کی راہ میں، مسافروں میں، مہمانوں میں، صرف کی جائے۔ متولی کیلئے کوئی ہرج نہیں کہ وہ اس میں سے جائز خرچ لے، اور ناداروں کو کھلائے۔

تعاون امدادِ باہمی کے بغیر معاشرہ (سوسائٹی) کا کوئی کام نہیں چل سکتا، ہر فرد سامانِ معیشت کا محتاج ہے اور اس کے حصول میں دوسرے افراد کے تعامل اور تعاون سے ہرگز بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

لا یمکن التعایش مالم یتظاہروا — باہمی امداد کے بغیر معاش ممکن نہیں

(الذریعہ الی مکارم الشریعہ امام راغب اصفہانی)

جب حصولِ معاش معاونت پر منحصر ہوئی تو معاونت کے لئے قواعد و ضوابط، معاہدے اور شرائط لازم ہوئے اصطلاحات جاری ہوئیں اس طرح مضاربت، مزارعت، اجارت، شرکت، وکالت پیدا ہوئیں ضروریاتِ زندگی کے ماتحت، آپس میں قرضے دینا اور امانتیں رکھنا جاری ہوا تو خیانت، نادہندگی اور انکار کی صورتیں پیش آئیں مجبوراً گواہوں، کاتبوں، وثیقوں اور حاکموں کی ضرورت وجود میں آئی اور رہن نامے، کفالت نامے، سپردگی نامے وغیرہ لکھے جانے لگے۔ اس طرح باہمی امداد کے بہت سے طریقے وجود میں آ گئے تعاون کے دروازے عوام پر کھل گئے، مثلاً

(۱) مضاربت تعاون باہمی کی ایک قسم ہے، مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہوتا ہے۔ دوسرا شخص اس سرمایہ سے تجارت کرتا ہے اور تجارت سے جو نفع ہوتا ہے وہ حسبِ قراردادِ باہمی فریقین میں تقسیم ہوتا ہے

(۲) مفاوضت، اس کو کہتے ہیں کہ دو شخص برابر کے سرمایہ سے تجارت کریں اور خرید و فروخت اور نفع میں حصۂ مساوی شریک ہوں ہر شخص اپنے شریک کا اس میں کفیل اور وکیل ہوتا ہے

(۳) "عنان" مالِ معین میں شرکت منعقد ہوتی ہے کاروبار میں ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل تو ہوتا ہے مگر کفیل نہیں ہوتا ایک دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا

(۴) شرکۃ الصنایع:۔ مثلاً درزی اور رنگریز اپنا اپنا کسب کریں اور وہ کسب فیما بین مشترک ہو

(۵) شرکت الوجوہ:۔ اس میں فیما بین کوئی مال مشترک نہیں ہوتا مگر اس غرض سے

شرکت ہوتی ہے کہ فریقین اپنے اپنے وجود کی بنا پر خرید و فروخت کریں مگر نفع میں دونوں شریک ہوں۔

(۶) وکالت:۔ ایک شخص اپنے ساتھی کی طرف سے معاہدے اور قرار دادیں منظور کرے

(۷) مساقات:۔ درخت ایک شخص کے ہوں اور محنت دوسرے شخص کی ہو اس قرارداد پر کہ ثمرات مشترک ہوں۔

(۸) مزارعت:۔ زمین اور تخم ایک فریق کے ہوں ہیں اور محنت دوسرے شخص کی ہو

(۹) مخابرت:۔ مزارعت کی ایک قسم ہے، زمین ایک شخص کی ہو اور بیج ہل بیل اور محنت دوسرے شخص کی اس کی دوسری قسم یہ ہے کہ محنت ایک شخص کی ہو اور باقی زمین، تخم، ہل، بیل سب دوسرے فریق کے ہوں

الاجارۃ:۔ یہ اجارت اور معاونت دونوں مفہوم پر مشتمل ہے، اگر در اصل منفعت ہی مقصود ہو تو مبادلہ کا پہلو غالب ہوگا اور اگر کام کرنے والے کی خصوصیت ہی مطلوب ہو تو معاونت کے معنی غالب ہوں گے۔

ان تمام معاہدوں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے اور آپس میں معاملات کرتے تھے ان میں سے غالباً کوئی شکل بھی محل نزاع نہ ہوئی اور آپ نے کسی شکل کو بھی منع نہ فرمایا اس لئے ان کی اباحت باقی ہے اور ان کی اباحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں داخل ہے۔

مسلمون علےٰ شروطھم دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صہ۱۱۱ ج ۲

یعنی مسلمان ان کی شرطوں پر ہیں۔

معاشرہ کے معاشی توازن اور ہم آہنگی کے لئے یہ تمام صورتیں تبرّع اور تعاون کی مقرر کی گئی ہیں اس کے برعکس وہ تمام صورتیں جو معاشی توازن کے لئے نقصاں رساں ہیں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔

اجارہ: اصطلاحِ فقہ میں نوکری، مزدوری، کاریگری، "کرایہ داری، جائداد سکنی و زرعی" سب اجارے کے مفہوم میں شامل ہیں، درحالیکہ ہماری روزمرہ کی زبان میں یہ لفظ ٹھیکہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

تجارت اور اجارہ میں فرق

اگر اپنی کوئی چیز کسی کو دی جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے تو یہ تجارت ہے۔ اجارہ میں چیز نہیں دی جاتی بلکہ کسی چیز کا حقِ استعمال یا حقِ استفادہ کسی کو کچھ بدل یا معاوضہ لیکر دیا جاتا ہے۔

اجارہ کی اقسام

۱۔ پھر اگر مکان، زمین، گھوڑا، گاڑی، موٹر سائیکل وغیرہ کے حقِ استفادہ کو بالعوض کسی بدلے کسی کو منتقل کیا جائے تو یہ کرایہ داری کہلاتی ہے۔

۲۔ اور اگر اپنی کسی ملکیت کے بجائے خود اپنی محنت و خدمت کا معاوضہ لیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) اجیر مستاجر کی ماتحتی میں کام نہ کرے بلکہ اپنے گھر پر وہ کام کرتا ہو تو وہ کاریگری ہے

(ب) اگر مستاجر کی ماتحتی میں کام کرتا ہے تو اس کی بعض صورتوں کو نوکری اور بعض صورتوں کو مزدوری کہتے ہیں، ہر صورت کے لئے مفصل قوانینِ فقہ میں موجود ہیں۔

ہمیں یہاں صرف محنت، خدمت اور حق الخدمت کے باب میں یہ طے کرنا ہے کہ اسلام میں محنت و خدمت کرنیوالوں کا کیا درجہ ہے؟ اور ان کو کیا حق الخدمت واجب ہوتا ہے؟

تنگیٔ معاش کے مارے ہوئے مزدوروں کو کمیونزم کی آغوش میں جائے پناہ نظر آتی ہے۔ صرف سرمایہ داری اس فتنۂ عالمگیر سے متاثر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بڑی بڑی حکومتیں جو کہنے میں جمہوری اور دستوری حکومتیں ہیں، مگر دراصل اپنی ہیئت

کذائیہ کے اعتبار سے ایک اعلیٰ پیمانے پر نظامِ
سرمایہ داری کی ہم معنی اور محافظ ہیں۔ کمیونزم کے
بڑھتے ہوئے سیلاب اور امنڈتے ہوئے طوفان کو آتا
دیکھ کر لرزہ براندام ہیں۔

چین کا کیا حشر ہوا ہم نے دیکھا۔ برما
اور ہندوستان پاکستان میں بھی یہ کمیونزم متعدی
وبا کی طرح پھیلنا چاہتا ہے۔ اگرچہ اہلِ پاکستان
مطمئن ہیں کہ مسلمانوں میں کمیونزم کو مقبولیت
حاصل نہ ہوگی، کیونکہ مسلمان عسرت میں بھی اپنے
مذہب وملت سے غدار نہیں ہو سکتا وہ پیٹ
کے لئے دین وایمان کو نہیں بیچ سکتا، تاہم اکثر
لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمان محض خوش اعتقادی کی
بنا پر بہت سے حقائق سے آنکھیں بند کر لیتے
ہیں، اور مصلحتِ وقت کے تقاضوں پر توجہ
نہیں کرتے۔ تنگدستی اور افلاس جس قوم پر مسلط
ہو جاتا ہے، اس کی جسمانی صلاحیتیں اور روحانی
قابلیتیں اکثر وبیشتر ماؤف ومعطل ہو جایا کرتی
ہیں، وہ قوم جو معاشی مصائب میں گرفتار
ہو جاتی ہے، دین ودنیا کی ترقی کے دروازے اس
پر بند ہو جاتے ہیں۔ اس کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔
جھوٹ، فریب، مکر، وعدہ خلافی، خوشامد،
چاپلوسی، گداگری، بےحیائی، عصمت فروشی، چوری،
ڈاکہ، نقب زنی، ذلت ونکبت اور اسی قسم
کے صدہا جرائم اکثر تنگدستی اور افلاس کے نتائج
کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور مفلس قوم
کی عادت میں راسخ ہو جاتے ہیں پھر جب یہ حال
ہو، تو ظاہر ہے کہ بھوکا کیا چاہتا ہے، دو روٹی،
وہ مثل صادق آتی ہے اور کمیونزم کے لئے اس
سے بہتر اور سازگار فضا اور کیا ہو سکتی ہے؟

دوراندیشی، اور عقل صحیح سے دشمنی ہوگی
اگر ہم نے مسلمانوں کی معاشی الجھنوں کو نہ سلجھایا۔
خصوصاً جب کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم
ہو چکی ہے، اور وہ حکومت استبدادانہ یا ظالمانہ
اصولوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ عدل ومساوات
کی علمبردار اور "حکومت الٰہیہ" کے نام سے موسوم ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی دعائیں

"اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ الْمُکِبِّ"
"اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، اس محتاجی
سے جو کوٹ کر رکھ دے۔"

رحمۃ للعالمین اپنی امت کے غرباء کی مالی
اور اقتصادی زبوں حالی گوارا نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ
سے دعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ
اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ عُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ اِنَّھُمْ
جِیَاعٌ فَاَشْبِعْھُمْ

اے اللہ! میری امت والے پیادے
ہیں ان کو سوار بنا دیجئے، اے اللہ! یہ ننگے ہیں ان کو

پہنائے۔ یہ بھو کے ہیں، انہیں سیر کیجئے:

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ اس حالت سے حاضر ہوئے کہ وہ برہنہ پا تھے اور بدن پر کمبل لپیٹے ہوئے تھے، ان پریشان حال لوگوں کو دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک اُداس پڑ گیا۔

ان پریشان حال لوگوں کو دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم زنانہ میں تشریف لے گئے (غالباً وہاں کچھ نہ پانے پر) حضرت بلالؓ کے ذریعہ لوگوں کو بلوایا، لوگ جمع ہو گئے تو ان کو ان غریبوں کی امداد پر آمادہ فرمایا۔ اور ذراسی دیر میں کافی امدادی سرمایہ جمع ہو گیا، جو ان لوگوں کو دیدیا گیا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ چہرہ جو ان غریبوں کو دیکھکر اداس پڑ گیا تھا۔ ان کی پریشانی دور ہونے سے کندن کی طرح دمک اٹھا"

مزدور یا ملازم طبقہ زیادہ محنت کرتا ہے، اور کم معاوضہ پاتا ہے، ان کی محنت اور خدمات سے سرمایہ داروں کو جتنا فائدہ پہنچتا ہے، مزدوری اور سرمایہ داری میں یہی امر مابہ النزاع ہے، اس کے تصفیہ کے لئے "کمیونزم" سے زیادہ موثر اور سہل الحصول نسخہ مزدوروں کو نہیں ملا، ورنہ اگر کوئی نسخہ کمیونزم سے زیادہ موثر اور آسان میسر آجاتا تو کمیونزم کا سیلاب اپنی جگہ پر رک جاتا اور اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل نہ ہوتی۔

مسلمانوں کے یہاں یہ نسخہ موجود ہے۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا مجوزہ نسخہ، مگر اس کے استعمال کا موقع ان کو نہیں ملا، آج خدا خدا کر کے وہ دن آیا ہے کہ مسلمان اپنا قانون استعمال کرنے کے لئے مجاز ہوئے ہیں۔ خدا ان کو اس ارادے میں استقامت اور کامیابی عطا فرمائے میں یہ کہہ رہا تھا کہ خود محنت کرنیوالوں کو اپنی محنت سے وہ فائدہ نہیں پہنچتا جو سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے، فائدہ کی یہ تقسیم ظالمانہ نہیں تو منصفانہ بھی نہیں، عدل و مساوات انسانی کے وہ لچھے دار دعوے کیا ہوئے جو ہر دستوری حکومت کے بنیادی اصولوں میں نمایاں ہوتے ہیں، بنیادی مساوات اور حقیقی عدل کا مقتضا تو یہی تھا کہ محنت و خدمت کے ثمرات بھی مزدور اور سرمایہ دار کے حصے میں برابر برابر آئیں، محنت و خدمت سے جو نفع حاصل ہو، وہ اجیر و متاجر میں برابر تقسیم ہو جاتے!

دولت کی تقسیم میں عدل و مساوات کسی بھی حکومت نے تسلیم کی ہے؟ اگر تسلیم نہیں کی تو وہ حکومت عدل و مساوات کے دعاوی میں کہاں تک حق بجانب ہے؟ اور کیا ایسی حکومت بزعوام کی حکومت یا جمہوری حکومت

دستوری حکومت کا اطلاق ہونا صحیح ہوگا؟ آپ
خود ہی غور و انصاف کیجئے؟

اگر کمیونزم تقسیم دولت میں مساوات
کا حامی ہے تو اس کی یہ حدود اسلام سے ملتی جلتی ہیں
اور کمیونزم کا کوئی عادلانہ اور مساویانہ" نظریہ ہے
تو "کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن
کے مطابق مسلمانوں کی کھوئی چیز ہے جو کمیونسٹ
طبقہ کو ملی ہے لیکن جہاں کمیونزم انسان کی
فطری صلاحیتوں اور خلقی استعدادوں، اور
قدرتی گوناگونیوں اور تفضیل بعض علی بعض
فی الرزق کے ناگزیر اور مختلف اسالیب زندگی
سے ناآشنا ہے، اور سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا
چاہتا ہے وہ اسلام ہی سے نہیں بلکہ فطرت انسانی
سے باغی ہے، اور اس لئے وہ اپنے مقاصد میں ناکام
ہو کر ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ جنگ قدرت سے ہے
اور قدرت سے جنگ میں کون کامیاب ہو سکتا
ہے؟ کمیونزم کا یہ اصول کہ ہر شخص کو بقدر
احتیاج دیا جائے اور بقدر استطاعت کام
لیا جائے، یا یہ اصول کہ عمال حکومت کی اجرت
ایک کاریگر (موچی، بڑھئی، لوہار وغیرہ) سے زیادہ
نہ ہونی چاہئیے (ص ۲۸ "اصول معاشیات") انسانی
شرف کے حق میں مرقی نہیں بلکہ حقیقتاً مہلک
ہے ضرورت تھی کہ عوام کو پستی سے نکال کر بلند
کیا جائے ہوا یہ کہ خواص کو بلندی سے پستی پر لاکر
سب کو پست ہی پست بنایا جا رہا ہے، مزدوروں
کو سرمایہ داروں کے مظالم سے بچانا تھا۔ اس
کے لئے نقطۂ اعتدال دریافت کرنے کی بجائے ہوا یہ
کہ سرمایہ داری کا نظام بالکل ختم کر کے سب
کو مزدور ہی مزدور بنا دیا گیا۔ سرمایہ داری کے
ظالمانہ نظام میں غریبوں کو ہر حال جینے کا حق تو
حاصل تھا۔ کمیونزم نے ان پر عرصۂ حیات بھی تنگ
کر دیا مشین کی طرح کام کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی
مزدور کام پر ڈیوٹی کے وقت ذرا دیر سے پہنچتا ہے
تو اس کے خلاف تقریباً ایک مہینہ تادیبی کارروائی
(ڈسپلنری ایکشن) عمل میں لائی جاتی ہے خواہ
وزیر اعظم ہو یا ایک موچی، کمیونزم جماعت کا ہر
فرد گھوڑوں، بیلوں، گدھوں کی طرح اپنی ہمت
کے مطابق کام کرے۔ اور جانوروں کی طرح پیٹ
بھر کر دانہ چارہ گھاس اس کو مل جاتا ہے، اسطرح
اس کو بھی احتیاج نہیں ہے یہ مساوات جیسا کہ میں نے
عرض کیا ہے پست اغراض، اور ادنیٰ مقاصد کے
پیش نظر ہے جو بلند اغراض اور اعلیٰ مقاصد والے
افراد کو انحطاط اور پستی کی طرف رجوع کرنے پر
مجبور کرتی ہے برخلاف اس کے اسلامی مساوات
پسماندہ اور گرے ہوئے درجے کے افراد کو اعلیٰ
مقاصد اور بلند اغراض رکھنے والوں سے ہمدوش
کرتی ہے، اسلام کے نظام اجتماعی میں غریب،
مفلس، معذور، اپاہج، لنگڑے لولے اندھے لوگ

جو محنت مزدوری سے معذور ہوں، اور اپنے لئے ذریعۂ معاش نہ پیدا کر سکتے ہوں، ان کی مدد کرنا خدا کی مدد کرنا ہے مگر کمیونزم ان کو نظر بند کر سکتا ہے، نسل بڑھانے سے روک سکتا ہے، اور ان تدبیروں سے بھی ناقابل اصلاح ثابت ہوں تو انہیں چپکے سے بلا تکلف ختم کیا جا سکتا ہے (اصول معاشیات ص ۹۶ ج ۲)

مجھے کمیونزم پر کوئی مقالہ لکھنا مقصود نہیں ہے بلکہ مزدوروں کی مزدوری اور خدمت کے منافع کی تقسیم میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اس کی وضاحت مقصود ہے!

میں یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ عدل و مساوات کے زبانی دعادی ہر ملک اور ہر حکومت کا شعار بن گئے ہیں، مگر میدان عمل میں اس کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی، متمدن اقوام اور مہذب ممالک کا یہ دستور ہو گیا ہے کہ دستور و آئین ایسے بنا لیتے ہیں، جو خوش آئند اور دلفریب معلوم ہوں مگر طرز عمل اس کے خلاف بلکہ متضاد ہوتا ہے، اسلام اپنے متبعین کو قول و فعل کی ہم آہنگی اور یکسانیت پر سختی اور تاکید سے توجہ دلاتا ہے، خدائے تعالیٰ کا حکم ہے۔ لما تقولون مالا تفعلون، وہ بات تم کہتے ہی کیوں ہو جسے نہیں کرتے جس شخص کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں نہ ہو وہ منافق ہے مسلمان نہیں، اسلام میں ہپوکریسی اور ڈپلومیسی، منافقین کی علامت ہے، اس لئے کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئیے کہ دنیا کی اور دستوری حکومتوں کی طرح اسلام کے احکام اور اصول بھی محض برائے گفتن ہیں، اور ان پر عمل پیرا نہ ہوتے ہوئے بھی مسلمان مسلمان رہ سکتے ہیں، ہرگز نہیں! اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا و رسول کے احکام کو فرض عین اور واجب التعمیل نہ سمجھے، اس تمہید کے بعد میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ محنت مزدوری کے ثمرات خدا اور رسولؐ کے نزدیک کیا ہو سکتے ہیں، اجیر و مستاجر کے مابین کیا علاقہ ہے؟ اجیر کو کیسا ہونا چاہیئے؟ مستاجر کو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔؟

قرآن شریف، القصص، رکوع ۶، میں حکایتاً وارد ہوا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں ایسے لوگ ملے جو لوگوں کو پانی پلاتے تھے ان کے علاوہ ان کو دو عورتیں اور دکھنے میں آئیں، جو کنارے پر کھڑی تھیں، آپ نے پوچھا۔ تم کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ چرواہے نہ چلے جائیں، اور ہمارا باپ ضعیف العمر ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا اور سائے میں لوٹ آئے اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ میں محتاج ہوں، ہر اس اچھی چیز کا جو تیری طرف سے مجھ پر نازل ہو، کچھ دیر بعد ان دونوں عورتوں میں سے ایک عورت شرماتی ہوئی

حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا کہ میرا باپ آپ کو بلاتا ہے تاکہ ہمارے جانوروں کو جو آپ نے پانی پلایا ہے اس کی اجرت دے۔

یہاں تک کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بلا تعیین اجر حضرت موسیٰ نے ازراہِ ہمدردی خدمت انجام دی تھی، مگر مستاجر نے اس کا صلہ خدمت دینا مناسب سمجھا اور حضرت موسیٰ کو اس غرض سے طلب کیا۔ حضرت موسیٰؑ تشریف لے گئے۔ اور اپنا تمام حال اس عورت کے باپ سے کہا، اس نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ بے خوف رہیں آپ کو نا انصاف لوگوں سے نجات ملی (جن کے خوف سے آپ نے مدین کا رخ کیا) اس کے بعد اجیر و مستاجر میں معاہدہ ہوتا ہے قرآن کے الفاظ میں اس کو ملاحظہ فرمایئے:

"قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ قَالَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ج فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ج وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ط اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ط وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○

القصص ۲۶

ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔ ابا! ان کو نوکر رکھ لیجئے "البتہ بہتر نوکر جو آپ رکھنا چاہیں وہ زور آور اور امانت دار ہو" (باپ نے) کہا (موسیٰؑ سے) کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں اس شرط پر کہ آٹھ برس میری نوکری کرلے اگر تو دس سال اپنی طرف سے پورے کر دے (تو تیری مرضی) میں تو نہیں چاہتا کہ تجھ کو مشقت میں ڈالوں اور ان شاء اللہ تو مجھ کو نیک بختوں میں پائے گا، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔ یہ (معاہدہ) ہم دونوں میں ہو چکا، ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر دوں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر مجھے اللہ کا بھروسہ ہے۔"

امور ذیل کا ان آیات سے استنباط ہو سکتا ہے

۱۔ نوکر رکھنے کی سفارش (قوی امین شخص کے لئے۔

۲۔ نوکر رہنے والے کی عزت نوکر رکھنے والے کی نظر میں غلام یا خدمت گار ایسی نہ ہونی چاہیے جیسا کہ آج کل دیکھنا میں آتا ہے بلکہ اس کو ہم مرتبہ اور اپنے ایسا ہی سمجھنا چاہیے حضرت موسیٰؑ کو شرف دامادی بخشنے سے ظاہر ہے کہ نوکری ذلت اور حقارت کا باعث نہیں بلکہ عزت و شرف بھی ہے

۳۔ اجیر و مستاجر کے مابین خدمت اور حق الخدمت کا معاہدہ ضروری ہے کہ غیر مبہم اور

صریح وصاف ہو؛

۴۔ لازمی اور اختیاری شرائط کا اس
معاہدے میں طے ہونا واجب ہے؛

۵۔ حضرت موسیٰؑ اس وقت نبی نہ تھے)۔
مگر ولی ضرور تھے۔ کیونکہ ہر پیغمبر نبوت سے پہلے
ولی ضرور ہوتا ہے پھر آپ کا نوکری کرنا اس امر کی دلالت
ہے کہ مزدوری یا ملازمت بہتر پیشہ ہے؛

۶۔ حضرت موسیٰؑ نے "ذالک بینی و بینک"
فرما کر عبارۃً وصراحۃً اس معاہدہ کی تکمیل کا وعدہ
فرمایا۔ ۷۔ آپ نے میعاد معینہ تک حسب معاہدہ
خود کو پابند رکھا؛

۸۔ بدل خدمت ہر امر مشروع ہو سکتا ہے
ان ہی حضرت موسیٰؑ کا معیت خضرؑ میں دیوار
چننے کا جب اتفاق ہوا تو انہوں نے حضرت خضرؑ
کو مشورہ دیا کہ "لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا"
آپ اگر چاہتے ہیں تو اس مزدوری کی اجرت لے سکتے ہیں
اگرچہ شرعاً ان کا مطالبہ جائز تھا اور ان
کو آٹھ دس برس تک اجرت پر کام کرنے کی عادت
بھی پڑ چکی تھی اس لئے اپنے کام کی اجرت کا مطالبہ
کر بیٹھے جو حضرت خضرؑ سے مفارقت کا باعث ہوا

اس سے معلوم ہوا کہ بعض کام جو مصالح
خداوندی کے ماتحت کسی رہبر دین کے زیر قیادت
عمل میں آتے ہیں ان کا معاوضہ خدا پر چھوڑنا چاہیے
ویسے تو ہر نیک عمل کی اجرت[1] دی جائے گی
مگر کام کرنے والے کو خلوص نیت سے کام کرنا چاہیے
اپنا اجر اللہ سے طلب کرنا چاہیے دنیا سے نہیں جیسا
کہ حضور صلعم نے بار بار فرمایا؛ لا اسئلکم علیہ اجرا

بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اب میں
اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں:

قرآن شریف سے نوکری، مزدوری، اور اس
کے معاوضہ کا حال معلوم ہوا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشادات اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیے:

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم
فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما
یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوا
ھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم"

"خول (یعنی تمہارے ہاتھ کے نیچے کام کرنے
والے) تمہارے بھائی ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو تمہارے
ہاتھ کے نیچے ڈال دیا ہے پھر جس کا بھائی کسی کے ہاتھ
کے نیچے پڑے تو چاہیے کہ جو کچھ خود کھاتا ہو اسے کھلائے
جو خود پہنتا ہو اسے پہنائے اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو
ان کو مغلوب کر دے اور اگر ان پر بار ڈالو تو ان کی مدد
کرو" اس حدیث مبارک سے امور ذیل ثابت ہوئے

---

[1] اما الذین آمنوا وعملوا الصلحت
فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من
فضلہ (النساء ۲۳)

۱۔ مزدور اور سرمایہ دار دونوں کا تعلق فی
مابین برادرانہ اور مساویانہ ہونا واجب ہے۔

۲۔ مزدور اور سرمایہ دار (مزدور رکھنے والے)
کی معاشی اور اقتصادی حیثیت مساوی ہونا واجب
ہو۔ سرمایہ دار جو خود کھائے وہ مزدور کو کھلائے۔ جس
قسم کا لباس وہ خود پہنتا ہے، مزدور کو پہنائے۔ اگر
اُجرت بصورت نقد ہوتی ہے۔ تو اس کی مقدار
اتنی ہونی چاہیئے کہ اس سے مزدور کو ویسا ہی لباس اور
خوراک میسر آسکے جو مزدور رکھنے والے کو میسر ہے۔

۳۔ وقت اور کام کے اعتبار سے مزدوروں
پر اتنا بوجھ نہ لادا جائے جو ان کے لئے تکلف یا تکلیف
کا باعث ہو اور وہ اس بوجھ سے دب جائیں۔

۴۔ اگر کوئی ایسا کام درپیش ہو جائے، جو
مزدوروں کے لئے باعث تکلف و زحمت ہو، مثلاً
کام کی نوعیت زیادہ محنت طلب ہو یا زیادہ
مزدوروں کی بجائے کم مزدور کام کر رہے ہوں۔ اسکی
وجہ سے کام مشکل سے سرانجام پا رہا ہو، تو اعینوہم
تعمیل میں تم ان کی مدد کرو، خواہ اصالتاً (خود اس
کام میں لگ جائیں) یا امدادی مزدور مہیا کریں

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا:۔

"قال اللہ ثلثۃ انا خصمھم یوم
القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر، رجل
باع حراً ثم اکل ثمنہ رجل استاجر
اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ
(بخاری)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں
کا میں قیامت کے دن فریق مخالف ہوں گا:
۱۔ جس نے میرے نام سے کسی کو کچھ دیا اور
پھر عہد شکنی کی، ۲۔ دوسرا وہ جو کسی آزاد آدمی کو
بیچ کر اس کی قیمت کھائے، ۳۔ تیسرا وہ جس نے
کسی مزدور کو نوکر رکھا، اور اس سے پورا کام لیا لیکن
اس کی پوری مزدوری ادا نہ کی"۔

تیسری حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف رشحہ" (رواہ البیہقی)
"مزدور کو اس کی مزدوری ادا کر دو قبل اس کے کہ
اس کا پسینہ خشک ہو"۔

ایک اور روایت مسند احمد میں یہ ہے کہ:۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
اعطوا العامل من عملہ فان عامل اللہ لا
یخیب"۔ "مزدور کو اس کے کام سے بھی حصہ دو کیونکہ
اللہ کا عامل اور مزدور نامراد نہیں کیا جا سکتا"۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ مزدوری کے
علاوہ منافع میں بھی مزدور کا کچھ حصہ ہے، باورچی
خانساماں کھانا پکانے والے نوکروں کے متعلق
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
"اذا صنع لاحدکم خادم طعاما"

ثم جاء به وقد ولی حره ودخانه
فلیقعده معه فلیاکل فان کان
الطعام مشفوها فلیضع منه فی یده
اکلته اکلتین۔" (صحیح بخاری)

تمہارا خادم اگر تمہارا کھانا تیار کرے
اور لے کر تمہارے پاس آئے اور گرمی اور دھوئیں
کو اس نے برداشت کیا تھا تو چاہیے کہ اپنے ساتھ
اس کو بٹھاؤ اور اگر کھانے پر زیادہ آدمی ہوں
تو پھر خادم کو کھانے میں سے کوئی چیز اٹھا کر
دیدو۔ (کم از کم ایک لقمہ یا دو لقمے) اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کام سے بھی ہو خادم
کو حصہ کم و بیش کچھ نہ کچھ ملنا چاہیئے کیا مزدور
کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔؟

(اسلامی معاشیات ص۳۶۵)

درگزر اور چشم پوشی

درگزر اور چشم پوشی کا معاملہ کس حد تک
کیا جائے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا
ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ
"کم اعفوا عن الخادم" میں اپنے نوکر کو کتنی دفعہ
معاف کیا کروں؟ آپ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر
یہی سوال دوہرایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا۔ اعفوا عنه کل یوم سبعین مرة
(ابوداؤد، ترمذی)۔

"روزانہ ستر دفعہ معاف کیا کرو۔"

اس بناء پر فقہاء اسلام نے طے کر دیا ہے
کہ نوکر یعنی الذی یستاجر مدة فلا ضمان
علیه مالم یتعد کسی مقررہ مدت کے لیے جو
تنخواہ پر رکھا جائے اس پر چیزوں کے نقصان کا
تاوان عائد نہ ہوگا۔ وهذا مذهب مالک و
ابی حنیفه واصحابه، اس سلسلہ میں بعض
ایسی حدیثیں بھی قابل ذکر ہیں جو بظاہر غلاموں سے
متعلق ہیں لیکن میرے نزدیک یہ احکام ہر اس شخص کیلئے
عام ہیں جو کسی کی ماتحتی میں کام کرتا ہو۔

ابو مسعود بدری صحابی رض کا مشہور واقعہ ہے
کہ وہ کوڑے سے اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے
ایک آواز آئی، اعلم ابومسعود، خبردار ابو مسعود! ابو
مسعود کہتے ہیں کہ غصہ میں مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ کون ہیں
کہ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلعم ہی فرما رہے
ہیں اور اعلم یا ابا مسعود ان اللہ اقدر علیک
علی هذا الغلام (مسلم) خبردار ابن مسعود،
حق تعالیٰ تم پر تمہارے غلام سے زیادہ قابو رکھتا ہے

ان تمام احادیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت العالمین
نے نوکروں اور مزدوروں کے ساتھ کیا کیا مراعات
ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے؟ مزدوروں اور مزدوروں

سے کام لینے والوں میں حاکم و ماتحتی کا اعتباری تعلق ہونے کے باوجود ان میں مساوات اور برابری کا کس درجہ اہتمام ہے؟ پھر یہ سب باتیں نمائشی اور ڈپلومیسی کے طور پر نہیں ہیں، نعوذ باللہ من ذالک، پیغمبر اسلام کے صحیح متبعین کی زندگی اسی انداز میں گزری، حضرت ابوذرؓ صحابی جو مساوات والی حدیث کے راوی ہیں۔ ان کی تمام زندگی اس حدیث کی تعمیل میں بسر ہوئی، حضرت عمرؓ کا اپنے غلام سے سلوک کہ ایک منزل آپ پیادہ چلتے تھے اور ایک منزل غلام پیادہ چلتا تھا۔ اور ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن سے آپ مطمئن ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان احکام کا احترام کس حد تک کیا ہے۔ حکومت پاکستان حکومت الٰہیہ ہونے کے لحاظ سے ان تمام احکام کے نفاذ اور ان کی تعمیل کی ذمہ دار ہے۔ اس پر خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل، کمیونزم سے نجات، مزدوروں اور نوکروں کی مالی اور اقتصادی بحالی، عدل و مساوات کی توثیق، اور مسلمانوں کے معاشی نظام کی کامیابی کا انحصار ہے۔

چند شبہات کا ازالہ

ہم کسی حالت میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ بڑے بڑے صنعتی اداروں کے مالک، معزز سرمایہ دار، لکھ پتی اور کروڑ پتی افراد، جو کئی کئی سو روپے کے سوٹ زیب تن کئے ہوتے ہیں، اور جن کے ایک ایک کارخانے میں صدہا مزدور روزانہ مستقلاً کام کرتے ہیں، ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ بڑے بڑے صنعتی مزدوروں کو اتنا بیش قیمت لباس پہنا سکیں۔ جس کی صرف سلائی میں اتنے روپے صرف ہوتے ہیں، کہ جتنے روپے کسی مزدور کو سال بھر میں کپڑے بھی میسر نہ آسکتے ہوں، یا اتنے مزدوروں کو صبح چائے، انڈے توس مکھن کے فجرانہ دوپہر کو مرغن اور پر تکلف کھانے ظہرانہ شام کو پھر چائے اور نواکہات کا عصرانہ اور رات کو بھی انواع و اقسام کے لذیذ اور بیش قیمت کھانوں کا عشائیہ، اپنے آپ مہیا کیا جائے۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو ناممکن العمل ہو، یا کسی بھی نقطہ پر فطرت انسانی پر گراں گزرے۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا، مگر فطرت انسانی جب مصنوعات کے حجاب اپنے چہرے پر ڈال لیتی ہیں، اس کے اصلی خط و خال نمایاں نہیں ہوتے۔ یہی حال ان سرمایہ داروں کی فطرت کا ہے کہ وہ تمول اور جلب منفعت اور نفع خوری کے نقرئی اور طلائی حجابوں میں مدفون ہے، رافت و رحمت، ہمدردی و شفقت، خدا ترسی و حق شناسی موجودہ طرز سرمایہ داری کے حق میں سم قاتل ہیں، اس لئے ہر سرمایہ دار کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، کہ وہ ان صفات حسنہ سے قطعاً مبرا ہو، سرمایہ داری اور ان صفات حسنہ کا اجتماع اس لئے ناممکن سمجھا جاتا ہے، ورنہ عدم امکان کا شائبہ بھی نہیں، بہر حال اس کا امکان تو ہے کہ وہ (سرمایہ دار) جو خود کھائیں

مزدوروں، نوکروں کو کھلائیں اور خود پہنیں سے
مزدوروں اور نوکروں کو پہنائیں۔ اس کی مختلف
صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت تو یہی ہے کہ مزدوروں
کو اپنا بھائی سمجھیں۔ اگر وہ مزدوروں کو اپنا بھائی
سمجھنے میں سچے ہیں تو ان پر خرچ کرنے میں جو پس و پیش
ہے، وہ بالکل نہیں رہیگا یا بڑی حد تک کم ہو جائیگا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مبالغہ
اور تکلف جو انہوں نے محض نمود و نمائش اور زینت
حیات دنیوی کی راہ سے اپنی زندگی میں لازم سمجھ
رکھا ہے، اس سے باز آجائیں، سیدھی سادھی زندگی
اختیار کریں۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ اسلام میں تکلف اور بناوٹ نہیں ہے۔ اس
میں ان کے لئے بہت سے فوائد ہیں، پہلا فائدہ تو یہ
ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبار رضی
اللہ عنہم کے اتباع اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی
موافقت ہو گی جیسا کہ سیدنا علی السلام کے عہد
امارت میں کسی نے آپ کی پھٹی ہوئی قمیص کو
دیکھ کر عرض کیا تھا کہ آپ اس کو پیوند کیوں نہیں
لگا لیتے تو ارشاد فرمایا کہ:۔

لانہ یخشع القلب ویقتدی بہ المومنین،
طبری، ص ۲۰ ج ۲ / اس سے قلب میں خشوع پیدا ہوتا
ہے، اور ایمان والے اس کو نمونہ بنا سکتے ہیں، دوسرا
فائدہ یہ ہے کہ یہ تکلفات اور مصنوعات اگر بڑے
لوگ چھوڑ دیں تو غریبوں اور مزدوروں کے دلوں میں
اس حسین و جمیل زندگی کی خواہش اور حسرت جو
چٹکیاں لیتی رہتی ہیں، نہ لیں، اور ان کو اپنی غربت پر
قانع ہونے کا موقع مل سکتا ہے، تیسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ
یہ زیب و زینت آرائش و تزئین میں جو وقت
صرف ہوتا ہے، وہ بچتا ہے، جو روپیہ ضائع ہوتا ہے، وہ
بچتا ہے، جو محنت ہوتی ہے، وہ بچتی ہے۔ اس طرح
تضییع وقت تضیع زر اور تضیع محنت سے نجات ملتی
ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ سادہ زندگی میں کھانا بھی
سادہ ہوگا، پہنا بھی سادہ ہوگا، اور یہ کھانا مزدوروں
کو کھلانا گراں نہ ہوگا۔ نہ ایسا لباس مزدوروں کے
لئے ننگ ہوگا۔ اگر ان تمام مصالح اور فوائد سے قطع
نظر، سرمایہ دار سادہ زندگی کو اختیار کرنے سے معذور
ہیں، تو ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں
ہے کہ وہ اپنے تمام آمدنی کا نصف سے زیادہ مزدوروں
کو ماہانہ اور سالانہ جیسی صورت ہو دیتے رہیں کہ اس
کے علاوہ عدل اور مساوات کی کوئی صورت نظر نہیں
آتی، مزدوروں کا حصہ ہر قسم کے ٹیکس سے بری ہوگا
یہ صورت بھی ان کے لئے ناقابل قبول ہو تو آخری
صورت حکومت کے لئے یہ رہ جاتی ہے کہ ایسے تمام
صنعتی اداروں اور کارخانوں کو قومی ملکیت بنالے
کیونکہ اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ جن میں
ہزاروں مزدور اپنا لہو پسینہ ایک کر کے لاکھوں روپے
کا منافع پیدا کرتے ہیں، اور ایک دو شخص محض سرمایہ داری
کی بدولت ان لاکھوں روپیوں کو ہضم کر جائیے۔

بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ مزدوروں کے
پیٹ خالی ہوں اور جسم عریاں!

مزدوروں اور ان نوکروں میں ان ملازمین
حکومت کا بھی شمار ہے جن کو کارکردگی کے صلے میں
جو معاوضہ ملتا ہے وہ تنخواہ کہلاتا ہے دفتروں کے
چپراسی اہل کار، بابو یا ان سے ملتے جلتے اور عہدیداران
جو افسری گریڈ نہیں رکھتے یا جو گزیٹڈ آفیسر نہیں ہیں
ان کی حالت بھی قابلِ اصلاح ہے۔ جہاں تک
اسلامی نقطۂ نظر کو مزدور اور سرمایہ دار کے تحت میں
واضح کیا گیا ہے وہ ان ملازمین حکومت سے بھی بلا امتیاز
متعلق ہے کچھ فرق ہو سکتا ہے تو یہ کہ مزدوروں کا مقابلہ
سرمایہ داری سے ہو سکتا ہے اور ان کا موازنہ حکومت
اور افسرانِ حکومت سے ہے بالفاظ دیگر ان کو تنخواہ
کے سرمایہ دار اور مزدوروں کا مسئلہ سمجھ لیں۔ وہ
افسرانِ حکومت جو اپنی ماتحتی میں ان کو ملازم رکھتے
ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ ان کے معیارِ زندگی کو بلند
کریں اور ان میں حسنِ نیت اخلاص وفاداری،
امانت و دیانت جفاکشی اور محنت کا جذبہ پیدا کرنے
کی غرض سے معاشی اور اقتصادی خوشحالی کے
لئے امکانات پر توجہ کریں سب سے بہتر امکان یہ
ہو سکتا ہے کہ افسران کا طرز عمل طریقہ کار معیار
بود و باند ایسا ہونا چاہئے کہ ماتحت اس کو نمونہ بنا
سکیں وہ حاکمانہ اور شاہانہ ٹھاٹھ ان کو چھوڑ دینے
چاہئے اور سیدھے سادے سچے مسلمانوں کی سی زندگی
ان کو بسر کرنا چاہئے جو غریبوں کی زندگی سے ملتی جلتی
زندگی ہو تاکہ غریبوں کے لئے غریب ہونا سوسائٹی میں
جو بے عزتی کم وقعتی سمجھا جاتا ہے اس کے خلاف غریب
ہونا ہی سوسائٹی میں مستحسن اور پسندیدہ سمجھا جانے لگا
جس قدر مذموم افعال رواج پذیر ہوتے ہیں جتنی
اخلاقی بیماریاں پھیلتی ہیں جتنی فواحشات وقوع پذیر
ہوتے ہیں ان کی علت غائی کے طور پر آپ کو یہی معلوم
ہوگا کہ بڑے لوگوں کی سرپرستی میں یہ جرائم پروان چڑھتے
ہیں، بڑے لوگوں میں ہمیشہ انہی لوگوں کا شمار ہوتا ہے۔
جو حکومت اور دولت کے مالک ہوں فیشن کی وبا
جو دنیا میں پھیلی یہ بڑے لوگوں کے اتباع میں پھیلی مثلاً
متحدہ ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار رہا تو ان کا
لباس اور کھانے لوگوں نے اتباعاً پسند کئے بلکہ اپنا تمدن
اور اپنا طرز معاشرت بھی انگریزی رنگ میں رنگ
لیا کسی انگریز کی دعوت میں شریک ہونا اس قدر اہم
موقع حصولِ عزت کے لئے سمجھا جاتا تھا کہ اس موقع
کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا خواہ دین و ایمان ہاتھ
سے چلے جائیں۔ کیونکہ اس دعوت میں شراب سور
گائے کا گوشت غرضیکہ ہر وہ چیز ہو سکتی تھی جو ہندو
مسلم دونوں کے لئے مذہباً حرام ہے مگر بڑے بڑے ہندو
اور مسلم ان دعوتوں کا رد کرنا اور وہاں کے ماحضر کو مسترد
کرنا ایٹی کیٹ اور تہذیب کے خلاف سمجھتے ہوئے ہر چیز
کو اِن جوئے 'ENJOY' کرتے تھے پھر لطف یہ کہ

یہ گروہ اپنے آپ کو روشن خیال اور دوسروں کو قدامت پسند اور کنسرویٹو کہتا تھا۔ پھر ان بڑے لوگوں نے جو اپنے بڑے لوگوں (انگریزوں) سے حاصل کیا تھا ان کی اتباع عوام نے شروع کی، ہندوؤں کو تو جانے دیجئے، غریب مذہبی مسلمان ان خان بہادروں اور خانصاحبوں کو (جن میں اکثریت لادینوں کی ہوتی تھی) کیا کہہ سکتے تھے؟ کیا سمجھا سکتے تھے؟ وہ اگر غریب مسلمان کو سلام کا موقع ہی عطا فرما دیتے تو مسلمان اس کو اپنی عزت سمجھتا تھا، وہ ان کے کسی عمل پر تنقید و تبصرہ کیا کر سکتا تھا؟ اس طرح یہ تمام ممنوعات و محرمات مسلم سوسائٹی میں آئی اور پرورش پاتی رہی یہاں تک کہ آج وہ عالم شباب میں ہیں، ہر بڑے آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شراب پئے، زنا کرے، جوا کھیلے، بیوی کو بے پردہ لئے پھرے، سینما جائے، کلبوں میں تفریح کرے، عالیشان کوٹھیوں اور باغات میں رہے، موٹریں ان کی سواری میں ہوں، ہوائی جہازوں میں وہ سفر کریں۔ پھر ان کے ماتحتان آخر انسان ہی تو ہیں، اگر ان کو بھی ان کی جھوٹی سچی نقل کرنے کی خواہش دامنگیر ہو تو یہ فطری چیز ہے، ان غریبوں پر کیا گزرتی ہے؟ وہ کیا جانیں، انہیں اپنی تعیش کی زندگی میں فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ آنکھیں کھولیں، گردو پیش کو دیکھیں، ملک کی اندرونی و بیرونی حالات سدھارنے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں، بے غرض آزادانہ اور مخلصانہ مشورے دیں، غریبوں کو ابھارنے کے لئے، مزدوروں کو پستی سے نکالیں، اپنے ملک اور قوم کی معاشی اقتصادی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دیں؛

ان فضول خرچیوں اور حد سے گزری ہوئی عیش پسندیوں کا سدباب حکومت الٰہیہ کا فرض ہے تاکہ پسماندہ طبقہ جو سکرات کے عالم میں ہے زندہ رہ سکے اور افراط و تفریط کے مابین حد اعتدال قائم ہو جائے، بات نہایت سیدھی سادھی اور صاف ہے بشرطیکہ بڑے لوگ سمجھنا چاہیں، اور وہ صرف ایک لفظ ہے۔ جس کی ہزاروں داستانیں بنائی جا چکی ہیں اور بنائی جا سکتی ہیں، اگر بات کو نہ بڑھایا جائے اور حقیقت حال کو سمجھنا مقصود ہو تو ان تمام داستانوں کا ماحصل صرف ایک لفظ ہے کمیونزم اور سرمایہ داری کی جنگ عالم آشوب سے نجات کا واحد ذریعہ صرف ایک لفظ ہے حاکم و ماتحت کے تعلقات کی خوشگواری کا راز اسی ایک لفظ میں ہے، غریبوں، بیکسوں، محتاجوں کے دکھ کی دوا اس ایک لفظ میں ہے، وحدت قومی اور نظام اجتماعی کی حیات و بقا کا خزانہ اس ایک لفظ میں ہے بشرطیکہ بڑے لوگ اس لفظ کو سمجھ لیں، اس طور پر کہ معنی فوت نہ ہونے دیں، وہ لفظ کیا ہے۔

"العدل"

۱۔ ان اللہ یامرکم "بالعدل"

۲۔ واذا حکمتم بین الناس فاحکموا "بالعدل"۔ ط

عدل کا نہ ہونا ظلم ہی ہوتا ہے۔ وما اللّٰہ یرید ظلماً للعباد فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للّٰہ رب العالمین۔ اسلام اپنی تمام جہات میں "نظام عادلانہ" کا بانی ہے۔ اور ہر "ظالمانہ نظام" کا مخالف ہے دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں، عدل کا نام اسلام ہے اور ظلم کا نام کفر ہے۔ والکفرون ھم الظلمون (اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں) اس آیت سے ثابت ہے کہ ظلم کفر ہی میں منحصر ہے!

معاش کی تقسیم ظالمانہ نہ ہوگی تو عادلانہ ہوگی، عادلانہ نہ ہوگی تو ظالمانہ ہوگی، اجتماعِ نقیضین محال ہے۔ اگر آپ عادلانہ نظام معاش قائم کرنے کے خواستگار ہوں تو ظالمانہ نظام معاش کو بدلنا ہوگا۔ "نظامِ عدل" مساواتِ باہمی کو مستلزم ہے اگر ہماری سوسائٹی میں سے وہ عادات و اخلاق جو منافی مساوات ہیں، دور ہو جائیں تو نظام عادلانہ بہت جلد قائم ہو سکتا ہے ایک دوسرے پر برتری اور تفوق حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ چیز فطری ہے، اور مذموم نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ برتری اور تفوق مراتب و مدارج کے اعتبار سے شرف انسانی کی عمومیت اور مساواتِ حقیقی کے منافی نہیں۔ غریبوں کو صرف غریب ہونے کے قصور میں جانوروں کی طرح انسانی برادری سے خارج سمجھا گیا ہے وہ بھوکے ہیں تو آپ خیال نہیں کرتے۔ خانماں برباد ہوں، سڑکوں پر بال بچوں کو لئے پڑے ہوں تو آپ خیال نہیں کرتے۔ بے روزگار اور بیمار ہوں تو آپ خیال نہیں کرتے اگر خیال کرتے ہیں تو یہ کہ وہ غریب ہونے کی سزا بھگت رہے ہیں، ہم کیا کریں"!

اسلامی اصولوں کے مطابق ان غریبوں کے حقوق آپ لوگوں پر واجب ہیں، اگر آپ نے ان اصولوں کی خلاف ورزی کی، اور خدا رسولؐ کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل نہ کیا تو حسب ذیل صورتیں پیدا ہوں گی:

۱۔ خدا اور رسول کی نافرمانی۔ (وفی اموالھم حق للسائل والمحروم) ومما رزقنٰھم ینفقون کی مخالفت۔

۲۔ غریبوں کی حق تلفی جو بے رحمی، شقاوت قلبی کی موجب ہے!

۳۔ غریبوں میں آپ لوگوں کے خلاف نفرت و بغاوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہونا۔

۴۔ غریبوں کی مالی اور اقتصادی تباہی۔

۵۔ "نظام اجتماعی" "وحدت قومی کی اساسی کمزوری" اور بنیادی خرابی" ان کے نتائج یہ ہوں گے۔

۱۔ دنیا میں مستحق عذاب ہونا۔ (کمیونزم بھی عذاب الٰہی کی جدید ترین صورت ہے! ۲۔ وحدت قومی میں اختلال اور ملک کے اندرونی حالات میں اضطراب و انتشار ہونا، ۳۔ کمیونزم یا کوئی اور بنیادی نظام یا طاقت جو ان غریبوں کے جذبات سے فائدہ اٹھا کر ملک اور قوم کے شیرازہ کو منتشر کرنا

چاہئے تو اس کے لئے فضا سازگار ہو نا۔ (۴) جب محنت مزدوری کے جائز وسائل ان غریبوں کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے غیر مکتفی ہوں گے۔ تو ان کی توجہات قدرتی طور پر ناجائز وسائل کی طرف منعطف ہوں گی جس کا نتیجہ استحصال بالجبر یا کسی اور قانون شکنی کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے!

اسلامی نقطۂ نظر معاشیات کے باب میں نہایت واضح ہے عام حالات میں جن چیزوں کا بطور خوراک یا غذا استعمال کرنا خدائے تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ چیزیں اضطراری حالت میں جب کہ انسان بھوک سے مرنے لگے تو استعمال کی جا سکتی ہیں۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ ۲۱)۔

حرام کیا تم پر مُردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوائے کا، پھر جو کوئی بھسا ہو نہ بے حکمی کرتا ہے نہ زیادتی تو اس پر گناہ نہیں۔

سورۂ مائدہ میں بھی حرام چیزوں کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجبور اور ناچار بھوکوں کو ان الفاظ میں مستثنیٰ قرار دیا ہے، فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم ۵ مگر جو کوئی ناچار ہو گیا بھوک میں کچھ گناہ نہیں اس لئے فقہا رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ الضرورت تبیح المحذورات ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے کسی شے کے حرام یا ممنوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس باب میں نص وارد ہو جس طرح قرآن شریف میں مردار لہو اور لحم خنزیر وغیرہ کی حرمت پر نص وارد ہوئی ہے اس کی خلاف ورزی کرنیوالا خدا کی صریح نافرمانی کا مجرم ہو گا، مگر جو لوگ مضطر ہوں یا بھوک سے مجبور ہو گئے ہوں تو وہ اسی حد تک مستثنیٰ ہیں کہ ان کا اضطرار رفع ہو جائے۔ یا بھوک کی وہ ہلاکت انگیزی دور ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بندوں کے لئے اپنے احکام میں مستثنیات رکھے ہیں جن میں احکام کی خلاف ورزی نہیں رہتی بلکہ وہ بھی تعمیل حکم ہی ہو جاتی ہے اسلام کے مطابق فطرت انسانی ہونے کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے، فطرت انسانی ہے کہ جب بھوک کے مارے انسان کی جان نکلنے لگتی ہے تو حرام و حلال کی تمیز اکثر اٹھ جاتی ہے ایسی ہنگامی اور اضطراری حالت میں بھی وہی قانونی پابندیاں (جو عام طور پر سکون حالت میں عائد ہوتی ہیں) عائد رکھی جاتیں تو یہ فطرت انسانی پر ایک ایسا بار ہوتا جس کا متحمل ہونا ممکن نہ تھا اور زندگی کی اس دشوار گزار منزل میں وہ قانون بالکل ناممکن العمل اور ناقابل نفاذ اور خلاف عقل ہوتا۔۔۔ یہ

قانون کا نقص ہوتا اور یہ خامی اس کے قانون الٰہی
ہونے کے منافی ہوتی۔ کیونکہ قانون الٰہی کا دوسرا نام
ہی فطرت انسانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ
قانون جو فطرت انسانی سے ٹکراتا ہو میدان عمل میں
ناکام ثابت ہوگا، رہبانیت کی زندگی (رہبانیۃ
ن ابتدعوہا) جو لوگوں نے خود اختیار کرلی تھی۔ قانون
الٰہی اور فطرت انسانی کے خلاف تھی)۔

(فما رعوھا حق رعایتھا)۔ اس لئے
لوگ ایسی نگہداشت و رعایت نہ کرسکے جو رعایت
کا حق تھا۔" نتیجہ یہ ہوا کہ راہبوں اور ننوں کے عبادت
خانے بدکاریوں کے اڈے بن گئے" برخلاف اس کے
اسلام نے (لا رہبانیۃ فی الاسلام) کے ماتحت
فطرت انسانی کی تمام مقتضیات کو ما تحتاج مہیا
کرنے کے لئے شرعی دوائر مقرر کئے ہیں اور پھر بھی اضطراری
کیفیات کے لئے مستثنیات رکھے ہیں جیسا کہ اوپر واضح
کیا گیا ہے اس قسم کی مثالیں اور بھی بکثرت ملتی ہیں،
مثلاً" سرقہ کی سزا (قطع ید) ہاتھ کاٹ دینا معین
ہے مگر جہاں پانی غیر الحصول ہے کسی کی مشک یا
برتن سے آدمی پانی چرائے تو چوری کی سزا قطع ید کا حکم
اس پر نہ لگایا جائیگا۔ خواہ اس پانی کی قیمت اس
قدر کیوں نہ ہو جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسی
صورت میں کیا پیاس کے مارے کسی کی جان پر بن آئے؛

اور دوسرے کے برتن میں زائد از ضرورت پانی ہو اور
وہ نہ دیتا ہو تو غیر مسلح لڑائی کے ذریعے پانی زبردستی
چھین کر پی سکتا ہے اور یہ حکم کچھ پانی کے ساتھ ہی
مخصوص نہیں ہے بلکہ ہلاکت کے اندیشے کی صورت
میں زائد از ضرورت چیز دوسرے آدمی سے زبردستی
چھین کر استعمال کرسکتا ہے خواہ کھانا ہو یا اسی قسم
کی دوسری چیز" وکذا الطعام عند اصابۃ المخمصۃ
(ص ۳۸۴ ج ۴)

لو سرقہ انسان فی موضع یعز وجودہ وھو
یساوی نصابا لم تقطع یدہ " ہدایہ کتاب جلد ۲ صفحہ ۳۸۹
اگر کسی ایسے مقام میں جہاں مشکل سے پانی میسر
آتا ہو اور کوئی پانی (مملوکہ) چرائے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا
جائیگا خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ ہو جس
کے چرانے پر ہاتھ کٹتا ہو؛

اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے مواقع زیادہ
سے زیادہ مہیا کرے جن میں معاش کی عادلانہ تقسیم
ممکن ہو اس طور پر کہ:۔

۱۔ صنعتی مزدور اور ملازم طبقہ دن بھر کی
دوڑ دھوپ اور محنت و مشقت کے باوجود روٹی
کا محتاج نہ رہے بدن ڈھانکنے کا محتاج نہ رہے اپنے
اہل و عیال کے پیٹ پالنے اور تن ڈھانکنے کا محتاج نہ

سے ہے، ہرج مرض، شادی غمی، مرنے جینے کے معمولی اخراجات
کے لئے خود مکتفی ہو۔ تاکہ فوائد مندرجہ ذیل مرتب ہوں۔

۱۔ نظام اجتماعی صحیح اور طاقت ور ہو۔
۲۔ مزدور اور سرمایہ دار کی آویزش کا امکان نہ رہے
۳۔ کمیونزم یا کوئی اور ازم یہاں پہنچنے نہ پائیں۔
۴۔ تمام دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ ہو۔
۵۔ استحصال بالجبر اور قانون شکنی کے امکانات
کم ہو جائیں۔

(ل) سرمایہ داروں کا معیار زندگی کھانے
پینے پہننے کا انداز شاندار (LUXURIES) اور
مسرفانہ نہ ہو۔ اچھا ہے کہ وہ غریبوں کی تقلید کریں۔
بہ نسبت اس کے کہ غریب ان کی تقلید کریں۔ کیونکہ
پہلی صورت میں بہت سے فوائد ہیں، اور دوسری
صورت میں بہت سی قباحتیں ہیں جن کی تشریح
پہلے کی جا چکی ہے۔

(ب) اس سے اچھی کوئی بات نہیں ہو سکتی
کہ تمام مسلمانوں کا معیار زندگی یکساں ہو۔ سب پاکستان
کا بنا ہوا کپڑا پہنیں اور اس میں اپنی عزت سمجھیں۔
سب پاکستانی قومی لباس میں ملبوس ہوں کھانے
میں جو تکلفات ہیں، وہ چھوڑ دیے جائیں۔ بقائے
حیات و صحت کے لئے مشروع چیزوں کے استعمال
پر کفایت کریں۔ گندم، چاول، مچھلی، پاکستان کی خاص
پیداوار ہیں، غذا کے لحاظ سے پاکستان بحمد اللہ خود مکتفی ہے
گیہوں کی روٹی اور سالن یا ترکاری یا چاول کی کوئی
قسم معمولی غذا ہو سکتی ہے۔

(ج) سرمایہ داروں سے زکات و صدقات
حسب ضابطہ وصول کئے جائیں، اور غریبوں پر تقسیم
کئے جائیں، تاکہ سرمایہ داروں کا مال خدا کی حفاظت
میں آ جائے، اور غریبوں کی جان محفوظ رہے۔ وہ
لوگ جو نہ مزدور ہیں، نہ سرمایہ دار ہیں، وہ سب حکومت
کے ذمے ہیں۔

۱۔ لنگڑے، لولے، اپاہج، اندھے، ضعیف العمر
بیوگان، یتامیٰ کی درستی احوال کے لئے بیت المال سے
امداد دی، وظائف مقرر کئے جائیں۔

۲۔ علماء، فضلاء، ماہرین فن جو انکشافات و
تحقیقات علمی میں ذوق رکھتے ہیں، اور کسب معاش
کی فرصت نہیں رکھتے (خواہ بلحاظ اہمیت مصروفیت
خواہ بلحاظ اہمیت علمیت) ان کی وجہ مدد معاش
بیت المال میں مقرر کی جائے۔

ماخوذ از ماہنامہ تاج، کراچی
ستمبر ۱۹۵۷ء

تنظیم

صداقت

تنظیمِ صدقات

زکات و صدقات بیت المال میں جمع ہونے کا انتظام کیا جائے گا تو اس سے خیر و برکات کے دروازے عوام پر کھل جائیں گے مگر اس میں چند موانعات ہیں اُن کی طرف اجمالاً اشارات کئے جاتے ہیں۔

پہلا مانع یہ خیال ہے کہ حکومت کی آمدنی کا بجٹ جن ٹیکسوں پر مبنی ہے (انکم ٹیکس ہاؤس ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ) اُن کی آمدنی زکات سے کہیں زیادہ ہے اس لئے زکات کی آمدنی کا بدل نہیں ہو سکتی۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ زکات بھی پوری پوری وصول نہ ہوگی لوگ سرمائے کو چھپائیں گے یا کم ظاہر کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صورت تو موجودہ ٹیکسوں میں اور زکات میں یکساں ہے۔ سرمایہ اب بھی چھپایا جاتا ہے یا کم ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس خرابی کا انسداد اب بھی ملحوظ ہے آئندہ بھی ملحوظ رہیگا۔ لیکن اب چھپانے کی وجہ قانون کی یہ سختی ہے کہ آمدنی کا ۸۵ فیصد ٹیکس میں طلب کیا جاتا ہے۔ اِس سے بچنے کے لئے سرمایہ دار حساب کتاب نفع نقصان سب فرضی اور مصنوعی دکھاتے ہیں اور قانون برائے نام باقی رہ جاتا ہے۔ اِس پر قرار واقعی عمل ناممکن ہے، اس کے برخلاف زکات ہلکا پھلکا ٹیکس ہے اور خدا نے مسلمانوں پر عائد کیا ہے اس لئے شاید ہی کوئی ایسا بدبخت ہو جو الزکات میں چوری کرے یا اس نصاب کو چھپائے، پھر حکومت تشخیصِ سرمایہ کریگی، محصلینِ زکات ایماندار، دیانتدار افراد ہوں گے جو تشخیصِ سرمایہ میں خود سرمایہ دار بننے کی خواہش سے بری ہوں گے۔

زکات سرمائے پر ڈھائی فیصد ہوتی ہے، اور کرایے کے مکانات، دوکانات، دفاتر منڈیوں، بازاروں پر چالیس فیصد وصول ہوگی یہ بہت بڑی رقم ہوگی اور آمدنی کے میزانیے کو سنبھالیگی۔ پھر بھی الضرائب عائد کیا جاسکتا ہے جو میزانیے کو متوازن کرسکتا ہے۔ اس طرح اسلامی مملکت میں بسنے والے مسلمان ذمیوں کی صف سے نکل کر آزاد مسلمان ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلمان کی سیاسی تعریف یہ ہے کہ وہ سوائے اُس ٹیکس کے جو خدا نے اُس پر عائد کیا ہے ہر اس ٹیکس سے آزاد ہو جو خُدا کے سوائے کسی اور نے اُس پر عائد کیا ہو

مطلب یہ کہ وہ صرف خدا کا محکوم ہے اور کسی کا محکوم نہیں ہے۔ اس لیے مسلم ریاست کا حکمران اپنا حکم نہیں بلکہ خدا کا حکم جاری کرتا ہے اور اس حکم کو ماننے والے اُس کے حکم بردار نہیں بلکہ خُدا کے حکم بردار ہوتے ہیں۔

آمدنی کا میزانیہ، خرچ کے میزانیئے سے متوازن رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ "اراکینِ حکومت" مُسرفانہ اور عیاشانہ مصارف کی مدات کو بجٹ سے خارج کردیں۔

نمود و نمائش، زیب و زینت کی چیزوں پر زرِمبادلہ صرف نہ کیا جائے۔ اشیائے تُمنشی کی درآمد پر زرِمبادلہ صرف نہ کیا جائے۔

سفارت خانوں کو تزک و احتشام نمود و نمائش سے پاک اور اخلاقی معیار کا اعلےٰ نمونہ ہونا چاہیئے تاکہ ممالکِ غیر میں وہ اسلامی سیرت و کردار کی جیتی جاگتی مثال ہوں اور نظریۂ پاکستان کا عملی نمونہ اُن کی زندگی سے نمایاں ہو، دوسرے لفظوں میں سفارت خانے ہمارے تبلیغی ادارے ہونے چاہئیں ——

سرکاری دعوتیں جہاں کہیں بھی ہوں، اسلامی سادگی، اسلامی آداب اور اسلامی تمدن و معاشرت کا نمونہ ہوں گی، ہر قسم کی ممنوعات و منہیات سے پاک ہوں گی، اس طرح مصارف اور اسراف سے بہت بڑی رقم محفوظ ہوسکتی ہے اور اراکینِ حکومت کی زندگی کا معیار عوام کی زندگی سے زیادہ قریب آئے گا۔

اِس قسم کے بہت سے شعبے ہیں، جن میں حذف و تخفیف سے مصارف کا میزانیہ گراں بار نہ رہے گا۔

صاحبانِ بصیرت اربابِ اقتدار اس کو زیادہ بہتر طریقے پر قابلِ عمل بنا سکتے ہیں۔

صدقات | زکات کے علاوہ دوسری قسم کے صدقات بھی ایسے ہیں کہ منظم طور پر وصول ہوں تو قومی مفاد کے لئے بے حد کار آمد ہیں مثلاً فطرہ کو لیجئے۔

فطرہ | ہر مسلمان کو نمازِ عید سے پہلے فطرہ دینا پڑتا ہے۔ ہر مسلمان مرد، عورت، بالغ، نابالغ، آزاد، غلام سب پر فطرہ واجب ہے ڈھائی سیر گندم (جو ایک روپے کے برابر ہوتے ہیں) فطرہ دیا جاتا ہے۔

اِس طرح دس کروڑ مسلمانوں کے دس کروڑ روپے فطرے کے وصول ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے کئی ملیں سالانہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں لگائی جا سکتی ہیں جو صرف غرباء، معذور ضعفا یتامیٰ کی کفالت کے لئے بیت المال کے زیرِ نگرانی چلیں گی۔

قربانی کی کھالیں | خدا کے فضل و کرم سے مسلمانانِ پاکستان عیدِ قرباں کے موقع پر بڑے ذوق و شوق سے قربانیاں کرتے ہیں۔ معدودے چند خاندان غرباء کو چھوڑ کر قربانی سب ہی کرتے ہیں مشرقی اور مغربی پاکستان میں قربانی کی کھالیں عدم تنظیم کی وجہ سے مختلف جماعتیں اور یتیم خانے وصول کرتے ہیں۔

اگر حکومت اس کی تنظیم کرے تو ہر شہر ہر قریے اور قصبے میں قربانیوں کی کھالیں منظم طور پر وصول ہو کر ان کی قیمت کئی کروڑ روپے سالانہ سے مساکین غرباء، یتامیٰ، ضعفاء کے لئے کارخانے، ملیں، فیکٹریاں، تربیت گاہیں، جاری ہو سکتے ہیں۔

سرمایہ اور اضافیت

"سرمایہ" کیا ہے ؟

ایک اضافی چیز ہے ، اطلاقی نہیں ہے ، اس لیے اس کی تعریف ہمیشہ اضافت کے پیش نظر ہوتی ہے اس طور پر کہ وہ "خرید اشیاء" میں قوت خرید یا قیمت خرید کی حیثیت سے کام آتا ہے ، اور دوسری طرف وہ ذخائر اشیاء کی حیثیت بھی رکھتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شے بھی ہر قیمت شے بھی ہے بدل قیمت بھی ہے ، تبادلہ اشیاء میں ایک شے دوسری شے کا بدل ہو سکتی ہے اس لیے دونوں شے ہی سرمایہ ہیں ۔ مگر یہ صورت مبادلہ عام طور پر دقت طلب سمجھ کر یہ طریقہ رائج ہوا کہ سکے سے مبادلۂ اشیاء کیا جائے ۔ سکہ ، سونا ، چاندی ، تانبے کا ہوتا ہے ان دھاتوں کی جو قیمت بازار میں مل سکتی ہے ، اس قیمت کی چیز بازار سے اس کے بدل میں دستیاب ہو سکتی ہے ان دھات کے بنے ہوئے سکوں پر حکومت کی مُہر اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ دھات کھری ہے اور اس کی قیمت جو اس کے چہرے پر لکھی گئی ہے وہ اس دھات کو پگھلا کر بازار میں بیچا جائے گا تو بھی وہی رہے گی ۔ یہاں تک کہ تانبے کے پیسے میں بھی ایک پیسہ کا تانبہ ہوتا ہے عام اس سے کہ اس پر کوئی سکہ منقوش ہو یا نہ ہو ۔

تبادلہ اجناس کو جس طرح طولِ عمل

سمجھ کر سکہ اختیار کیا گیا تھا ، اب سکوں کے انبار کو بازار میں لیے پھرنا بھی طولِ عمل سمجھا جانے لگا ـــــــ اور اس کے بدلے نوٹ ایجاد ہوئے ـــ کاغذ کے ٹکڑوں پر ان کی قیمت حکومت لکھ دیتی ہے وہی قیمت کاروبار لین ، دین میں معتبر سمجھی جانے لگی ۔

ہر حکومت اپنے نوٹ چھاپنے لگی اور اس کے بدلے میں سونا، چاندی دیتی اور دنیا بھر کی چیزوں کی خرید و فروخت جاری ہو گئی اور نوٹ کو سکہ رائج الوقت تسلیم کر لیا گیا۔

حکومتیں اپنے خاص چھاپے خانوں میں جتنے نوٹ چاہیں اور جس جس قیمت کے نوٹ چاہیں چھاپ سکتی ہیں اور وہ ملک میں بطور کرنسی کے کارآمد بھی ہوتے ہیں مگر اصولاً حکومتوں کو اتنے ہی نوٹ شائع کرنے چاہئیں، جتنا سونا ان کے پاس بینک میں موجود ہے، وہ حکومت دیوالیہ ہو جاتی ہے جس کے پاس اتنا سونا نہ ہو، جو اس کے جاری کئے ہوئے نوٹوں کا بدل ہو سکتا ہو۔

اس کے برعکس وہ حکومت متمول سمجھی جاتی ہے جس کے پاس سونا وافر ہو اور اس کے جاری کردہ نوٹوں کی مالیت سے کہیں زیادہ سونا اس کے پاس ہو ایسی حکومتوں کے سکے دوسرے ملکوں میں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کی قیمت جو بازار میں اس سے زیادہ ملتی ہے جس کے لئے ان کو جاری کیا گیا ہے۔

بہرحال کرنسی اور سکے کا نظام نوٹوں کی صورت میں نہایت پیچیدہ ہے اور اس کے اثرات بھی نہایت گہرے ہیں جو سیاسیات اور اقتصادیات کو اپنے تابع رکھتے ہیں۔

قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں کرنسی کی قیمتوں کے مدوجزر کو بہت بڑا دخل ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ سونے کی افراط جن ملکوں میں ہے وہاں اس کی قیمت اتنی گری ہوئی ہے کہ سونے کی تفریط والے ملکوں میں مقابلتہً اس کی قیمت کئی گنی زیادہ ہے اس کے باوجود یہ ممالک سونے کی درآمد کو ممنوع قرار دیئے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ناجائز طور پر سونا درآمد ہوتا ہے، وہاں سے آتا ہے جہاں سستا ہے اور وہاں آتا ہے جہاں مہنگا ہے ...!

اگر پاکستان میں سونے کی درآمد ممنوع نہ ہو تو یہاں اس قدر سونا درآمد ہو سکتا ہے کہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہاں سونے کی قیمت گر جائے گی۔ اور اس کا اثر ہماری کرنسی پر پڑے گا جو سونے کے ذخیرے پر مبنی ہے قیمت گرنے سے ہمارے ذخیرۂ نقد کی موجودہ

قیمت ۔ اغلباً آدھی رہ جائے گی۔ اس
لیے سونے کی درآمد مفید نہیں، مضر ثابت
ہوگی۔ اس لئے قیمتِ زر اطلاقی ہوئی اضافی ہوئی
پس سونے کی قیمت جتنی زیادہ ہوگی ہماری
کرنسی کو اتنا ہی تحفظ ملے گا اور قیمت زر
جتنی گرے گی ہماری کرنسی کی قیمت اتنی ہی
گرتی رہے گی۔

ماہرینِ معاشیات و اقتصادیات اس
کے نکات کو زیادہ سمجھتے ہیں، اگر اتنی سی
بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ساری دنیا
میں سونے کی قیمت یکساں ہو اور اس کی
بنیاد پر جاری ہونے والی کرنسی کی قیمت
بھی ہر ملک میں مساوی ہو۔ تو اقتصادی
اور معاشی بحران سے نجات مل جائے جس
میں ساری دنیا مبتلا ہے۔ یہ صورت اطلاقی
ہوگی اضافی نہ ہوگی اور اس سے وابستگی بھی
اطلاقی ہوگی اضافی نہ ہوگی۔

پیمس

قانونِ مساوات جو نوعِ انسانی کا
فطری حق ہے، اس کا مطالبہ تو یہی ہے
کہ معاشیات و اقتصادیات کا نظام بھی
مبنی بر مساوات ہونا چاہیے اس میں ترجیحی
انداز سے اقوامِ عالم میں امیر و غریب کا
فرق پیدا ہو کر ان میں باہم رقابت اونچ
نیچ اور غیریت کے میلانات عام ہو
جاتے ہیں حالانکہ نوعِ انسانی میں حقیقی رشتہ
وحدت اور عینیت کا ہے اِس رشتہ کو
مستحکم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ نظامِ معیشت
اور نظامِ اقتصادیات میں کُلّی مساوات ہو
(MONY معیشتِ بے زر یا
LESS ECONOMY.)
کا تصور معیشت کی عدمِ مساوات اور
ترجیحی طرز کے خلاف شدید ردِ عمل کے
طور پر ظہور پذیر ہوا، اور موجودہ دور
میں عدمِ مساواتِ معیشت کی گتھیاں سلجھانے میں
اشتمالیت اور اشتراکیت جو کام کر رہی
ہے اس کی بنیاد بھی معیشت کی عدمِ مساوات
کو برقرار رکھ کر ہی سرمایہ دارانہ نظامِ
معیشت مہیا کر رہا ہے۔

قیمتوں میں اضافے

حکومت جس قدر ٹیکس، ضروریات
زندگی کی چیزوں پر عائد کرتی ہے، اسی
تناسب سے بلکہ اس سے کہیں زیادہ
قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
۱۔ مفادِ عامہ سے زیادہ اہم کوئی چیز
بھی حکومتِ اسلامیہ کے نزدیک نہیں ہوتی

اس لئے اسلامی ریاست کا وظیفہ اولین یہ ہے کہ وہ ٹیکس اور ٹیکس پر ٹیکس لگانے کی پالیسی کو یک لخت بند کرکے، اشیائے ضروری کو ارزاں سے ارزاں عوام تک پہنچنے کا نظام عمل بنائے۔

۲۔ برآمدی پالیسی میں یہ امر ملحوظ رکھا جائے کہ جو چیزیں ضروریات ملکی سے زیادہ ہوں، وہی برآمد ہوں، اور اسی حد تک برآمد ہوں جو اعداد و شمار کے لحاظ سے معین کی گئی ہو۔ یہ نہ کیا گیا، تو برآمد شدہ چیزیں ملک میں آسانی سے دستیاب نہ ہوسکیں اور ہوں گی تو ان کی قیمتیں بہت بڑھ جائیں گی۔

۳۔ "قیمت" میں نامناسب اضافے کا سبب، چیزوں کا بازار سے غائب ہو جانا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ سرمایہ دار ان چیزوں کو بازار سے خرید کر محبوس کر دیتے ہیں، اور جب انکی مانگ بڑھ جاتی ہے تو اس ذخیرے کو مہنگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں، اسی کا نام احتکار ہے اور محتکر کو شارع علیہ السلام نے ملعون قرار دے دیا ہے۔ اسلامی معاشرے کا اس لعنت سے پاک ہونا ضروری ہے۔

۴۔ زراعت و مساقات سے اشیائے خوردنی میسر آتی ہیں، پرانے طریق کاشت میں کھاد، ہل بیل، کاشت کار کے لئے اپنی محنت کو بروئے کار لانے کے لئے کافی ہوتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جدید طریق کاشت میں کاشت کاری بھی فن کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اور مشینی صنعت کی ذیل میں آگئی ہے مگر فنی اور مشینی سہولتیں عام نہ ہونے کی وجہ سے "زراعت و مساقات" میں بھی سرمایہ دار کاشت کار اور مزدور کاشت کار کا امتیاز پیدا ہو چلا ہے۔ اس کو رفع کیا جانا ضروری ہے اس طور پر کہ مشینی زراعت عام ہو جائے، اسا منی کھاد بیج عام ہو جائیں تاکہ پیداوار میں مستقل اضافہ ہو، اور ان کی قیمتیں معتدل رہیں اصولی طور پر فن زراعت و مساقات میں ترجیحی سلوک کی جگہ مساوی سلوک رائج ہونا چاہیئے، اور حکومت کی طرف سے جو ذرائع کاشت کاروں کے لئے مہیا کئے جائیں ان سے حق انتفاع میں سب

کو یکساں مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ پھر ان پیداروں سے منفع اندوزہ ہونے کے مواقع میں بھی یکسانیت اور مساوات کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ سرمایہ داران پیداواروں کو خریدیں اور منڈیوں میں لاکر مہنگا بیچیں۔

بیت المال کے تحت بینک پیداواریں خریدیں۔ اور کھیتوں سے بازاروں تک پہنچانے کے اخراجات بڑھاکر برائے نام نفع پر فروخت کریں تو قیمتیں نہ بڑھیں گی۔

صنعت و حرفت

۵۔ قیمتوں کے اضافے میں بڑی بڑی صنعت گاہوں اور حرفت گاہوں کو بڑا دخل ہے ان میں بھاری بھاری مشینیں رات دن کام کرتی ہیں اور صنعتی پیداوار بہت بڑے پیمانے پر مہیا ہوتی ہیں ان صنعتی اداروں کو حکومت کی طرف سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ مراعات حاصل ہوتی ہیں، بینکوں کا تعاون ان کے حق میں ہوتا ہے۔ یہ صنعتیں ملک و قوم کی ترقی کا سبب سمجھی جاتی ہیں مگر ان بھاری صنعتوں کے مقابلے میں چھوٹی چھوٹی صنعتیں دم توڑ دیتی ہیں جو بڑی دشواری سے قائم ہوتی ہیں اور جن کو حکومت کی طرف سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا ہے نہ بینکوں کا تعاون حاصل ہوتا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی صنعتیں صرف اس لئے پنپنے نہیں پاتیں کہ ان کا مقابلہ بھاری صنعتوں سے ایسا ہے جیسے چیونٹی کا مقابلہ ہاتھی سے ہو۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی صنعتوں سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ مہنگی پڑتی ہے اور بڑی صنعتوں کی پیداوار سستی پڑتی ہیں یا چھوٹی صنعتوں کو ختم کرنے کے لئے، بڑی صنعتوں کے مالک مقابلتہً سستا بیچتے ہیں، اور جب یہ مقابلہ ختم ہو جاتا ہے تو قیمت بڑھا دیتے ہیں، یہ مقابلہ بڑی صنعتوں کے فی مابین بھی ہوتا ہے اور اچھا مال مقابلتہً کم قیمت پر نقصان اٹھا کر بیچنے کی حکمت عملی دوسرے صنعتی اداروں پر غالب آجاتی ہے۔ بعض اوقات صنعتوں کے مالکوں میں گٹھ جوڑ سے بھی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں —

پس مشینی صنعتوں کو اصولاً وحدت کار کی بناء پر قیمتوں میں بھی یکسانیت اور وحدت کو اپنانا چاہیئے — اور حکومت کو بھی ترجیحی سلوک سے پاک ہو کر چھوٹی بڑی صنعتوں کو یکساں تحفظ دینا ضروری ہے۔

سرمایہ کی تعریف

سرمایہ کی دو قسمیں ہیں۔

اول :- حسیّ :-

دوم :- معنوی

حسی سرمایہ کی پھر بہت سی اقسام ہیں مگر ان کو تین قسموں میں منحصر کیا جاسکتا ہے

۱۔ جمادات - ۲۔ نباتات - ۳۔ حیوانات

جمادات کی اقسام گوناگوں سرمایہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سونا اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔

۲۔ چاندی اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔

۳۔ لوہا اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔

۴۔ تانبا اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔

۵۔ دوسری معدنیات کے مفرد اور مرکب۔

۶۔ پتھر ادنیٰ درجے کا یا اعلیٰ درجے کا جیسے الماس، زمرد، یاقوت، زہرہ، پکھراج وغیرہ

۷. زمین اور اس سے برآمد ہونے والے ذخائر، مثلاً کوئلہ اور مادہ سیال۔

۸. تیل، پٹرول، گیس۔

۹. پہاڑ۔

بناتات کی اقسام ذیل سرمایہ ہیں۔

۱. ہر قسم کے غلے اور ان سے بنی ہوئی چیزیں

۲. سبزی ترکاریاں۔

۳. فواکہات اور گنا اور گنے سے بنا ہوا گڑ شکر۔

۴. دوائیں، بوٹیاں، مفرد مرکب

۵. سبزہ زار باغات۔

۶. جنگلات، چراگاہیں اور ان سے حاصل ہونے والی گھاس لکڑیاں۔

۷. دریا، جھیلیں، نہریں، سمندر، تالاب ذخائر آبی۔

حیوانات

حیوانات کی اقسام ذیل سرمایہ ہیں

۱. گائے، ۲. بیل، ۳. بھینس۔

۴. ان کے بچے، ۵. بکریاں، ۶. اونٹ گھوڑے، ۸. خچر، ۹. گدھے، ۱۰. بھیڑیں

۱۱. مچھلی وغیرہ

(۲) حیوانات سے حاصل ہونے والی معاش

الف ۱. گوشت۔

ب ۱. دودھ اور دودھ سے حاصل شدہ چیزیں مکھن کریم، گھی، دودھ، چھاچھ

(ج) چمڑہ۔

(د) دودے اور آنتیں

(ہ) ہڈی۔

معنوی سرمایہ

۱. علم و فن

۲. تجربہ

۳. مہارت و مزاولت

ماہرین علم و فن کے لئے علم و فن سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے خصوصاً جب کہ انہیں تجربہ مہارت، مزاولت بھی حاصل ہو یہ بڑا گرانقدر سرمایہ ہے۔

اس سرمایہ کی دو قسمیں ہیں۔

اگر اس علم و فن کا موضوع آفاقی ہو تو یہ علوم و فنون کونیہ کا سرمایہ ہے جس سے حسب ذیل معشیت کے شعبوں کو کو فائدہ پہنچتا ہے اور ان میں عروج و ترقی حاصل ہوتی ہے۔

سائنس، طب، ڈاکٹری، انجنیرنگ، صنعت، تجارت، حرفت، مساقات زراعت کی گوناگوں اقسام اسی سرمایہ، علمی و

فنی کی مرہون منت ہوں گی۔ اس کے بغیر مندرجہ بالا معیشت و معاش کے شعبے اور ان کے علاوہ اسی قبیل کے دوسرے شعبے نہ صحیح کام کر سکتے ہیں نہ ان سے صحیح نتائج برآمد کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ماہرین علوم و فنون کے دل و دماغ ہی وہ اصلی سرمایہ ہیں جس کو صنعت و حرفت و تجارت میں لگائے جانے والے سرمائے پر تقدم و اقتدار حاصل ہے اور اس کے بغیر، سرمایہ، محنت، اور وقت، سب کچھ ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔

مکان بنانے سے پہلے اچھے انجینئر سے نقشہ بنوایا جاتا ہے تاکہ سرمایہ اور محنت رائیگاں نہ جائے کار آمد ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ ہر کاروبار میں اس کے ماہر کا ذہنی تمول اس کی علمی و فنی مہارت و بیداری کا مظہر ہوتا ہے، جو اس کاروبار کی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر وہ علوم و فنون آفاق کی بجائے انفس سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کا رخ نفسِ انسانی کی طرف راجع ہوتا ہے اور اس رجوع کا نتیجہ فضائل نفس کی صورت میں

ظاہر ہوتا ہے۔ فضائل نفس، رذائل نفس کی ضد ہیں اس لئے وہ شخص جو فضائل نفس سے مشرف ہوتا ہے خود اپنے لئے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے "سرمایہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ فضائل نفس کا کمال یہ ہے کہ وہ غنائے نفس پر منتہی ہوتے ہیں اور غنائے نفس اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی سرمایہ نہیں کر سکتا۔

فقر و احتیاج فاقہ و افلاس میں بھی صبر و شکر، تسلیم و رضا توکل و قناعت کے نمونے حیاتِ نبوی میں اور آپ کے غلاموں کی زندگی میں جو پائے جاتے ہیں وہ غنائے نفس کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں اور اہل ایمان کے لئے سرمایۂ اصلی ہیں۔

یہ ننگے بھوکے بادیہ نشین قیصر و کسریٰ کو کبھی خیال میں نہ لائے اور ان کے غرورِ شہنشاہی کو انہوں نے خاک میں ملا دیا، یہ غنائے نفس ہی کا کرشمہ تھا، جو ترک دنیا نہیں بلکہ عطائے دنیا ہے یعنی اپنے بھائیوں کے لئے اپنے حصے کا ایثار ہے۔ خود بھوکے رہ کر اپنا کھانا اپنے بھائی کو کھلا دینے کی مثالیں تاریخ اسلام میں کثرت سے ملتی ہیں، یہ غنائے نفس ہی کی مثالیں ہیں انہی کے لئے قرآن شریف میں آیا۔ یوثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ یعنی یہ وہ نفوس ہیں، جو اس چیز کو جس کے وہ خود حاجت مند ہیں دوسروں کو دیدیتے ہیں، اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں۔

اگرچہ یہ انسان کی داخلی جہت ہے جو
اس کی خارجی جہت یعنی معاشرے سے براہ راست
تعلق نہیں رکھتی، مگر بالواسطہ، یہ باطنی جہت
معاشرے کے حق میں کتنی مفید ہے اس کا
اندازہ آسان ہے پس اگر معاشرہ فضائل نفس
سے مالا مال ہو تو تنگی معاش سے اس کا کوئی
سروکار نہ رہے۔

غنائے نفس اور معاش

چوں غذا ہے تو شود از خوان جود
خاک ریزی بر سر نان تنور

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی
کئی وقت بھوکے رہتے اور جب پوچھا جاتا تو
فرماتے کہ رات میں نے خدا کے پاس گذاری
اس نے مجھے خوب کھلایا پلایا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ بھوک نبیوں کا
طعام ہے اور یہ کہ بھوک عبادت کا مغز ہے۔
یہ اجمالی ذکر اس امر کی وضاحت کے لئے
کافی ہے کہ سرمایہ حسی سے جس طرح یہ رزق
حسی کا سروسامان ہوتا ہے، سرمایہ معنوی
سے رزق معنوی حاصل ہوتا ہے۔

تنگی معاش

تم تنگی معیشت کو سرمایہ نہ ہونے کا
نتیجہ قرار دیتے ہیں مگر قرآن مجید کہتا ہے
یعنی وہ شخص جو میری یاد سے اعراض کرتا ہے
تو اس کی معیشت تنگ کر دی جاتی ہے معلوم
ہوا کہ روزی کے تنگ ہونے کا سبب اصلی
یاد الٰہی سے جی چرانا ہے

خدا فراموش معاشرہ

بے صبری اور عدم قناعت خدا فراموش
معاشرے کی خصوصیات ہیں جس کو زیادہ سے
زیادہ ملتا ہے وہ اس کو کم سے کم سمجھتا ہے اور
جس غریب کو کم سے کم ملتا ہے اس کو معاشرہ
زیادہ سے زیادہ سمجھتا ہے، یہ ناانصافی ناخدا
ترسی اور خدا فراموشی پر مبنی ہے اسکا لازمی
نتیجہ اونچ نیچ کا معاشرتی فرق ہے جو معاشرے
میں تضاد پیدا کر دیتا ہے پھر یہ تضاد تصادم
وپیکار کو جنم دیتا ہے، اس طرح ملک متحارب
پارٹیوں میں بٹ جاتا ہے اور وحدت ختم
ہو جاتی ہے۔

سرمایہ دار

سرمایہ دار ماہرین پر بھی حاکم ہوتا ہے۔
اس کے آگے ان کی وہی حیثیت ہوتی ہے۔
جو مزدوروں کی حیثیت ان کے آگے ہوتی ہے۔
اور ان کو وہی شکایات سرمایہ دار سے ہو سکتی
ہیں جو مزدوروں کو ان سے ہو سکتی ہیں۔

یہ وہ کشمکش ہے جو سرمایہ دار کو ماہرینِ
فن اور مزدوروں سے اندیشہ ناک رکھتی ہے
کہ کہیں اسٹرائیک نہ کر دیں اور مزدوروں کو
اس خطرے میں مبتلا رکھتی ہے کہ کہیں سرمایہ دار
ہم کو نکال نہ دے اضافۂ اجرت کے لئے احتجاج
صرف اسی وقت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجتماعی
صورت اختیار کرے اگر سارے مزدور
ہڑتال یا احتجاج پر متفق نہ ہوں تو منفرد احتجاج
کا کوئی موقع نہیں نہ کوئی فائدہ ہے

مزدور کی غلطی

مزدور یہ نہیں جانتا کہ دماغی محنت بھی
محنت ہے اور جسمانی محنت اس کے تابع ہے

ماہرینِ فن کی غلطی

وہ خود کو مزدور نہیں سمجھتے مزدوروں
کے حاکم سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مزدور ہی ہیں۔

سرمایہ دار کی غلطی

وہ یہ نہیں سمجھتا کہ سرمایہ اس کو ماہرینِ
فن اور محنت کش مزدوروں کے بغیر کوئی فائدہ
نہیں پہنچا سکتا، پھر سرمائے سے جو نفع حاصل
ہو رہا ہے وہ محنت کے ماتحت ہوتا ہے اس
لئے سرمایہ بلا فوقیت کے باوجود ان کا زیر دست
ہی ہے۔ ایک زندہ اور فعال معاشرے میں
کوئی فرد معطل یا بیکار نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہر
فرد خود سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ
ملک و قوم کی دولت ہے اس کو متحرک فعال
اور کارگذار ہونا چاہیئے (بجز اس کے کہ وہ
معذور ہو)۔

سرمایہ مدبر ہے   سرمایہ سے ضروریات
زندگی کی تدبیر ہوتی ہے۔ اگر اس کو روک
رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک
ایسے مدبر کو قید کر دیا گیا جو معاشرے کی ضروریات
کی تدبیر کرتا تھا۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کو
قید کرنا حاکم شہر کو قید کرنا ہے۔ اس سے
معاشرے کے نظم و نسق میں اختلال پیدا ہونا
لازمی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے اکتناز کو
کو جرم دیا گیا ہے۔

مخلوط سرمایہ ۔ علمی یا ذہنی سرمایہ
محنت کا سرمایہ ۔ دولت کا سرمایہ
مشینوں اور آلات کا سرمایہ
یہ مختلف سرمائے مل جل کر کام کرتے ہیں
تو وہ کام چلتا ہے۔ جس کو ماہر علم و فن نے
سب سے پہلے اپنے متول دماغی سے تخلیق کیا تھا
پھر دولت سے کارخانے کی تعمیر ہوئی، آلات
اور مشینوں کی خریداری ہوئی پھر کام کرنے
والے مزدوروں کی محنت خریدی گئی اور سب
سے اہم سرمایہ علم و فن تھا وہ بھی خرید لیا گیا۔

اس طرح مخلوط سرمائے، سرمائے نہ رہے
بلکہ جنس بن گئے، جن کو خرید لیا گیا۔ اب
سوال پیدا ہوا کہ سستے داموں خرید لیا واجبی
قیمت پر خریدا یا سرمایہ کا بدل سرمایہ ملا؟
علم وفن کی قدر، محنت کی قدر، مشینوں
اور آلات کی قدر، اور اس سرمائے کی قدر
جو اس سلسلہ میں صرف ہوا یا ہوگا۔ ان
اقدار کا تعین ہوئے بغیر، فائدے کی منصفانہ
تقسیم ممکن نہیں۔

سلبی پہلو

اگر ماہرین فن نہ ہوں تو کارخانہ
نہیں چلتا۔
مشینیں اور آلات نہ ہوں تو کارخانہ
نہیں چلتا۔
اگر محنت کرنے والے مزدور نہ ہوں
تو کارخانہ نہیں چلتا۔
اگر سرمایہ نہ ہو تو کارخانہ نہیں چلتا۔

ایجابی پہلو

اگر سرمایہ ہو تو کارخانہ بن سکتا اور
چل سکتا ہے۔
آلات اور مشینیں خریدی جا سکتی ہیں
چلائی جا سکتی ہیں۔
ماہرین فن خریدے جا سکتے ہیں۔
مزدور خریدے جا سکتے ہیں۔

محنت کرنے والے مزدور، اور ماہرین
فن، دونوں ہی کی محنتیں اور خدمات خریدی
جا سکتی ہیں،
ایک جسمانی محنت ہے، دوسری دماغی
محنت ہے۔
دماغی محنت کی قیمت جسمانی محنت سے
زیادہ ہے۔
دماغی محنت کرنے والے آرام سے
کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اچھا کھاتے ہیں۔ اچھا
پہنتے ہیں، جسمانی محنت کرنے والوں پر حکومت
کرتے ہیں۔
جسمانی محنت کرنے والوں میں اور
خود میں بڑا فرق محسوس کرتے ہیں، اور انہیں
خیال ہوتا ہے کہ ہم محنت اور جانفشانی کے
بعد بھی کارخانے میں ذلیل اور محکوم ہیں اور
ماہرین بغیر محنت کئے بھی معزز اور حاکم ہیں
یہ کیفیت انفرادی سرمایہ داری میں ہی نہیں
ہے بلکہ اشتمالیت اور اشتراکیت میں بھی
کارفرما ہے۔ وہاں منتظمہ پر جس قدر منافع
سے صرف کیا جاتا ہے وہ اس سے کہیں
زیادہ ہوتا ہے جو عوام پر صرف کیا جاتا ہے۔

یہ معیشت کی یکسانیت نہیں بلکہ تضاد ہے۔

بہر حال پہلا تضاد ہے جو مزدور اور مزدور میں واقع ہے۔

دوسرا تضاد، مزدور اور سرمایہ دار میں واقع ہے جو محنت اور صلۂ محنت کے منصفانہ تعین نہ ہونے سے ابھرتا ہے۔

اس کا حل

سرمایہ دار اور مزدور جو ایک دوسرے کو اپنا غیر سمجھتے ہیں، یہ غیریت کا خیال ہی ان تمام آویزشوں کا سرچشمہ ہے جو سرمایہ دار اور مزدور کے مابین جاری ہیں حالانکہ اسلامی معاشرے کا سنگ بنیاد ہی عینیت نفوس پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے امیر و غریب، سرمایہ دار، مزدور، "نفس واحد" کی حیثیت رکھتے ہیں، اس اعتقاد کا ظہور جب عمل میں ہوتا ہے تو صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ ہر فرد دوسرے فرد کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

کتاب و سنت کا عطا کیا ہوا عقیدہ صرف موضوعی نہ ہو، بلکہ معروضی ہو تو سرمایہ دار اور مزدور میں غیریت رفع ہو کر عینیت اور وحدت کا ظہور یقینی امر ہے۔

عقیدے کے موضوعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی اثر عملی زندگی پر مترتب نہ ہو۔ اس کے برخلاف جب عمل عقیدہ سے مقرون و ملحق ہوتا ہے تو عقیدۂ و عمل کا تضاد ختم ہو جاتا ہے۔ جو عقیدہ ہے وہی عملی ہو جاتا ہے اور جو عمل ہے وہی عقیدہ ہو جاتا ہے اس کو ہم معروضی حقیقت کہتے ہیں اور اسلام اسی حقیقت کا داعی ہے۔ پس اسلام کا نعرہ لگانا، یا مسلمان بھائی بھائی کا نعرہ لگانا اس وقت تک موضوعی اور بے حقیقت مزعومہ، مفروضہ، بلکہ موہوم چیز ہے جب تک کہ اس قسم کے نعروں کی بنیاد جیتے جاگتے متحرک افعال اور برسرِ کار حقائق پر استوار نہ ہو۔

•

اسلام کا نعرہ اسلام کی سربلندی کے لئے لگایا جا رہا ہے تو میدانِ عمل میں نعرے بازوں کو اپنے کردار سے اسلام کو پامال نہ کرنا چاہئے یہ تو بدترین نفاق ہے اور اس نفاق سے اسلام کا نعرہ، اسلام کی سربلندی کے لئے نہیں بلکہ کسی ایسے نظام کی سربلندی کے لئے لگایا جا رہا ہے، جو مخالف اسلام ہے، خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو، یا جاگیردارانہ نظام ہو، یا جمہوری نظام ہو۔ اس کے برعکس یہ نعرۂ ایجابی حقائق پر

استوار ہے تو حقائق کو نعروں پر تقدم حاصل ہو گا۔ یعنی پہلے دل و دماغ میں اسلامی عقائد راسخ ہوں گے اور پھر ان کے تقاضوں سے متاثر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کی صورت میں نعرے بلند ہوں گے جو دعوتِ اسلام کی عملی تصویر پیش کریں گے۔

پس مزدور اور سرمایہ دار کا تضاد اس وقت تک رفع نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اس بات پر ایمان نہ رکھتے ہوں کہ ہم بحیثیت مسلمان بھائی بھائی ہیں، ہم میں غیریت نہیں ہے عینیت ہے۔ مسلمان مسلمان میں تضاد کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ البتہ تضاد کی نسبت تو مومن و کافر کے درمیان ہوتی ہے۔ اس لئے سارے مسلمانوں کو جو حقیقت میں یک ہیں، ایک ہو کر اس سے تضاد سے نمٹنا ہے جو دشمنِ اسلام ہے اگر مسلمانوں میں خود ہی تضاد پیدا ہو تو وہ آپس میں کٹ مر کر وہ کام کرینگے جو ان کے دشمنوں کو کرنا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو ہر فرد میں خواہ وہ مزدور ہو یا سرمایہ دار ہو ایک تضاد خود اس کے اندر موجود ہے اور یہ کفر و ایمان کا ہی تضاد ہے جس کی بنا پر وہ خود کو مسلمان یا مومن بھی کہتا ہے اور اپنے اس قول کی تردید بھی خود ہی اپنے طرزِ عمل سے کرتا رہتا ہے۔

اس طرح ہر فرد دوہری شخصیت بن گیا جس نے اپنی خودی کو کاٹ کر دو پارہ کر رکھا ہے۔ یہ شخصیت کی موت ہے خودی کی موت ہے، ضمیر کی موت ہے، سیرت و کردار کی موت ہے، خواہ یہ شخص بظاہر زندہ نظر آئے اصل میں مردہ ہے اور جو معاشرہ ایسے اشخاص پر مشتمل ہے وہ مُردوں کا معاشرہ نہیں بلکہ مُردوں کا معاشرہ ہے۔ یہ راکھ کا ڈھیر ہے جس کو ہوا جدھر چاہے اڑا لے جائے داخلی طور پر یہ ہوائے نفس کا غلام ہے، خارجی طور پر وہ کفر و لادینی کی ہوا میں تنکے کی طرح اڑتا پھرتا ہے پھر اس تضاد کی تعبیر نفاق سے کی جائے گی تو کیا غلط ہو گی؟

اس نفاق نے سب سے پہلے شخصیت کو دوہرا بنایا جیسے میرے ایک دوست شبیر حسین خاں اور جوش ملیح آبادی کو ایک سے دو کر دیا۔ —

پھر یہ دوہری شخصیت جو خود اپنے اندر وحدت کے اذعان سے قاصر ہے۔ وہ

اپنے سے باہر وحدت کا اذعان کس طرح حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے نزدیک توحید و وحدت کی تعلیم اور اس کو اپنانے کے قواعد وضوابط جو دین وایمان کا درجہ رکھتے ہیں۔ سب کے سب اوہام باطلہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ قرآن مجید بھی "اساطیر" کی ذیل میں آجاتا ہے۔ (پناہ بخدا)

●

دوسرے درجے میں نفاق فرد کی دوہری شخصیت سے تجاوز کر کے معاشرے میں سرایت کر جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ معاشرے کو نفاق وشقاق کی آماجگاہ بنا دیتا ہے۔

تیسرا

انفرادی اور اجتماعی جد وجہد کا رخ تعمیر سے منحرف ہو کر تخریب کی طرف مائل ہو جاتا ہے، مثبت طرزِ عمل کی بجائے منفی طرزِ عمل شعار بن جاتا ہے۔

عوام کے نفوس واملاک واموال کے تحفظ کی بجائے ان کو تباہ وبرباد کر دینا مقصد بن جاتا ہے۔ اس سے قتل وغارتگری لوٹ مار۔ کُشت وخون کی گرم بازاری ہوتی ہے، امن عامہ کی جگہ دہشت لے لیتی ہے۔

مقننہ، عدلیہ، منتظمہ، ماؤف و معطل ہو جاتے ہیں۔ لاقانونیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

●

وہ افراد اور جماعتیں، جو اخلاقی روحانی، معیاروں پر قائم ہوتی ہیں اگر وہ اخلاقی اور روحانی کردار بھی رکھتی ہیں تو وہ اس تخریب کو روک سکتی ہیں۔ مقابلہ کر کے اس کو رفع کر سکتی ہیں خواہ تعداد میں وہ کتنے ہی کم افراد پر مشتمل کیوں نہ ہوں۔ مگر خدانخواستہ یا گروہ روحانیت اور اخلاق حسنہ سے متخلق نہ ہوں۔ تو ایسی صورت میں اخلاقی اور روحانیت کا پرچم اٹھانا۔ نعرے لگانا ایک ڈھونگ یا سوانگ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر ڈھونگ اور سوانگ کا اس مقابلے میں بگڑ جانا یقینی ہے، جو مادی تحریکات سے درپیش ہے رفع تضاد مزدور ہوں یا سرمایہ دار سب سے پہلے ان کو اپنے اندرونی تضاد کو رفع کرنا لازمی ہے وہ یہ کہ وہ داخلِ اسلام ہیں یا خارج از اسلام، اگر جواب یہ ہو

کہ وہ مسلمان ہیں تو بحمد اللہ پھر ان میں کوئی تضاد نہیں ہے وحدت ہے اور عینیت ہے۔

اس وحدت و عینیت کا تقاضا ہے کہ وہ اختلاف باہمی کو تضاد کی حیثیت اختیار نہ کرنے دیں۔ اور یہ بھی نہ کریں کہ اختلاف باہمی کو اپنی رائے زنی سے حل کرنے پر اصرار کریں۔

سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ "ثالثی" کو ایسے اختلافات میں اختیارات قطعی تفویض کر دیں، اور ثالثی کا فیصلہ، دونوں فریق واجب التعمیل سمجھیں، جو ثالث ہوں وہ دونوں فریق کے نمائندے ہوں۔ اور ان میں عدلیہ کا ایک افسر اعلیٰ ان کا صدر ہو۔ بہر حال ثالثی کی تشکیل اور اس کے قواعد و ضوابط تابع کتاب و سنت مرتب ہو سکتے ہیں۔

یہ جواب کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، اس کی توقع بدگمانی کے بغیر ممکن نہیں اور اس بدگمانی کی جرأت مسلمانوں کے حق میں کوئی مسلمان کر ہی نہیں سکتا۔

•

متمدن زندگی میں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ہاتھ سے اس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

مزدور اور سرمایہ دار کی "عینیت" کے رشتے کو قوی کرنے کے لئے یہ تجویز موثر ہو گی۔ کہ مل میں مزدوروں کے بھی حصص ہوں، اس کی ادائیگی بتدریج انکی اُجرت سے ہو اور ان کا نفع انہیں ملتا رہے۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سرمایہ دار اور مزدور میں ایک معاہدہ ہو، جس میں سرمایہ کا نفع ایک حصہ، مشینری کا کرایہ ایک حصہ، اور مزدوروں کی محنت کا صلہ ایک حصہ، تناسب کے ساتھ معین ہو، اور اسی تناسب سے یہ تینوں حصے تقسیم ہو جائیں اس صورت میں اجیر و مستاجر کے مناقشات ختم ہو سکتے ہیں۔

مزدوروں کو ان کا حصہ حسب قرارداد ملے گا۔ جس کو وہ آپس میں تقسیم کریں گے وہ آپس میں کس طرح تقسیم کرینگے اور اس میں نزاع تو پیدا نہ ہو گا یہ ان کا داخلی مسئلہ تو ضرور ہو گا مگر اس نزاع کا اثر مل پر پڑ سکتا ہے اس لئے معاہدے میں مزدوروں کو اپنی قرارداد باہمی کو ضبط تحریر میں لا کر شامل معاہدہ کر دینا چاہیے۔

اعداد و شمار کے بغیر حتمی طور پر کچھ نہیں

کہا جا سکتا۔ یہ صرف وہ خطوط ہیں جن پر ماہرین
فن کی مدد سے نقشہ تیار ہو سکتا ہے، اور
تراضیٔ طرفین سے معاہدہ ہو سکتا ہے اس
معاہدے کی نوعیت امدادِ باہمی کے اصول
پر کی جا سکتی ہے۔

۳۔ یہ بھی سمجھ میں آنے والی بات ہے
کہ مل قائم کرنے والے سرمایہ دار عموماً
بنکوں سے یا کہیں اور سے قرض لیتے ہیں ان
کے پاس جو سرمایہ ہوتا ہے وہ بھی لگاتے
ہیں جب کہیں مل قائم ہوتی ہے، پھر مل
چلانے کے لئے بھی سرمایہ درکار ہوتا ہے اس
کا انتظام کرتے ہیں، پھر مل کے چلنے پر خواہ
نفع ہو یا نقصان بہر حال مزدوروں کو معاوضہ
دیتے ہیں، خواہ کہیں سے قرض ہی لا کر کیوں
نہ دیں پھر قسم قسم کے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

پھر مال کو کارخانے سے نکالتے ہیں
اگر معقول بازار نہ ہو تو مال کو روک رکھتے
ہیں۔ اس طرح بڑا سرمایہ مقید ہو کر رہ جاتا
ہے اور وہ اخراجات جو مال کی تیاری پر
ادا کئے گئے ہیں، وہ پھر واپس نہیں آتے۔

اور نہ اصل سرمایہ واپس آتا ہے، اس کے
باوجود کارخانہ چلتے رہنا اور مال تیار ہونا،
مصارف اور مزدوریاں ادا کرتے رہنا۔

ضروری ہے۔

اس مرحلے پر مزدور حصہ داران کو منافع
ملنے میں دیر ہوگی اس لئے سرمایہ دار اُن
کو پیشگی دیں اور منافع میں سے وضع کریں۔

اس مرحلے پر حصہ داران کو منافع ملنے
میں دیر ہوگی۔

ایک امکان یہ بھی ہے کہ نقصان ہو
جائے، اس صورت میں حصہ داران (جن
میں مزدور بھی ہوں گے) سب ہی نقصان
میں شریک ہوں گے۔

ایک امکان یہ بھی ہے کہ کارخانے
کی مجموعی مالیت روپیہ ہے مثلاً ایک کروڑ
مالیت روپیہ ہے

یہ ایک کروڑ روپیہ کتنے عرصے میں
واپس ہو سکتا ہے؟ اس سے دوچند سہ چند
مہلت منظور کی جائے تاکہ ایک کروڑ کی
جگہ دو تین کروڑ روپیہ سرمایہ دار کو واپس
ہو جائے۔ اس کے بعد کارخانہ بیت المال
کو دے دیا جائے اس کی آمدنی سے کچھ حصہ
کارخانہ دار کو ملے اور بقیہ بیت المال میں
جمع ہو کر معاشی توازن قائم کرنے میں
کام آئے۔

انفرادی سرمایہ دارانہ نظام انفرادی
آزادی اور انفرادی حقوق پر قائم ہے، یہ
انفرادیت اجتماعی حقوق کی نفی کرتی ہے۔

اس انفرادی سرمایہ دارانہ نظام کے
ردِ عمل سے ایک دوسرا نظام سرمایہ داری
رونما ہوا جس کو اجتماعی سرمایہ دارانہ نظام
یعنی اشتراکیت یا اشتمالیت کہا جاتا ہے۔ یہ
اجتماعیت، انفرادی آزادی اور انفرادی
حقوق کی نفی کرتی ہے۔ یہ دونوں نظام سرمایہ
دارانہ نظام ہیں اور دونوں ہی کا میلان حق تلفی
کی طرف ہے۔

انفرادی سرمایہ داری میں چند دولتمندوں
کے ہاتھوں میں سرمایہ گردش کرتا رہتا ہے، اور
محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

اجتماعی سرمایہ داری (اشتمالیت
انفرادی سرمایہ داری کو ختم کرتی ہے اس
طور پر کہ خونیں انقلاب کے ذریعے انفرادی
سرمائے اور وسائل پر قابض ہو جاتی ہے۔
اس کے بعد کسی فرد کی انفرادی آزادی یا اس
کا انفرادی حق باقی نہیں رہتا۔ اس طرح
چند سرمایہ داروں کی جگہ، ایک ایسی حکومت
لے لیتی ہے جو ان سرمایہ داروں سے کہیں
زیادہ مستبد اور سخت گیر ہوتی ہے جن سے گلو خلاصی
کے لئے اس حکومت کو پسند کیا جا رہا تھا۔
اس حکومت میں سنگین کی نوک پر افرادے
ذرائع پیداوار کا تحفظ کرایا جاتا ہے۔

اسلام ان دونوں نظام سرمایہ داری
کے برعکس انفرادی آزادی اور انفرادی حقوق
کا محافظ ہے اور ان کی اجتماعی آزادی اور ان
کے اجتماعی حقوق کا بھی محافظ ہے۔ اسلامی نظام
حکومت ان حقوق کی نگہداشت اور ان
کے تحفظ کی غرض سے قائم ہوتا ہے، ہر حیثیت
سے یہ نظام حکومت نیابتی ہوتا ہے اور اپنے
طرزِ عمل سے عوام امت کی نمائندگی کرتا ہے
یہ نمائندگی عوام امت کی تمناؤں کا مظہر ہوتی
ہے اور وہ تمنائیں حسناتِ دارین کی حامل
ہوتی ہیں، اس طور پر حکومت اسلامی افرادِ
امت کا مرکزِ تمنا بن جاتی ہے۔ اور یہ تمنائیں
چونکہ سب کی تمنائیں ہوتی ہیں اور ہر فرد یہ
چاہتا ہے کہ اس کی تمنا بر آئے اس لئے پورا
معاشرہ اس مرکز کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس
کی جد و جہد حکومت کے دائرہ عمل میں تعاون
و تعامل سے رسوخ حاصل کر لیتی ہے تو حکومت
کا طریق کار اور افرادِ امت کا طرزِ عمل دونوں
ہی ہم رنگ، ہم سنگ ہو جاتے ہیں، یہی
ریاست کا وہ عینی تصور ہے جو ہر قسم کی کشمکش
اور تضاد سے پاک ہوتا ہے۔ افرادِ امت

میں بھی باہم کوئی تضاد نہیں ہوتا اور نہ ان
کی نمائندہ حکومت میں اور ان میں کوئی
تضاد ہوتا ہے ۔

اسلامی حکومت میں سب سے پہلے ضروریات
زندگی کا تعین ہوتا ہے اور ضرورت کی تعریف
یہ ہوتی ہے کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ
سکے اور زندہ رہنے میں اس کا محتاج ہو ۔
شارع علیہ السلام نے ضروریات زندگی کو
انسانی حقوق کی صورت میں اس طرح
متعین فرمایا ہے کہ ۔

- رہنے کو گھر
- پہننے کو کپڑا
- اور کھانے کو روٹی ۔ پینے کو پانی

یہ چیزیں مدنی زندگی میں بقائے
زندگی کے لئے ضروری ہیں ۔ ان ضروریات
کے مدارج کا تعین ہر زمانے کی مصلحت اور
صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے ، تاکہ اپنی معیشت
اور اقتصادی حالت کے پیش نظر افراد امت
اس کا تقرر کر سکیں

اصولاً نظریہ مساوات ان ضروریات
میں کارفرما ہے ۔

۱. مکانات عموماً مساوی درجے کے
ہونے چاہئیں ۔

۲. ملبوسات مساوی معیار کے ہونے
چاہئیں ۔۔۔!

۳. اکل و شرب بھی یکسانیت کے مظہر ہونے
چاہییں ۔۔

۴. اور اقتصادی حالت اجازت دے
تو سواری کا انتظام بھی سب کے لئے ہونا چاہیئے

۵. اور علاج معالجے کا انتظام بھی عام
ہونا چاہیئے ۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے
میں ضروریات زندگی کی کفالت حکومت
کی طرف سے ہوتی ہے مگر اس کفالت میں
وسائل آمدنی کے پیش نظر سادگی یا فارغ البالی
کا جو انداز بھی نمایاں ہوتا ہے ، وہ عام ہوتا
ہے کسی خصوصی امتیاز کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا

اس معاشرے کے افراد جو مالدار اور
متمول ہوتے ہیں ، ان کو بھی معیار زندگی میں
عوام امت کی موافقت کرنی پڑتی ہے ، یہاں
تک کہ امیر ریاست اور عمال حکومت بھی اس
معیار سے بلند طرز معیشت و معاشرت نہیں رکھ
سکتے بلکہ وہ تو معاشرے کے لئے مثالی نمونہ رہتے
ہیں اور حکومت کے ذرائع و وسائل سے پورے
طور پر باخبر ہونے کی وجہ سے پہلے پہل خود ہی
معیار زندگی اپنے طرز عمل سے متعین کرتے ہیں ۔

اسلام میں یہ نظامِ معیشت جبری نہیں ہے ۔ بلکہ آزاد معیشت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ افرادِ امت میں مساوات کی وجہ سے مسابقت کا جذبہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ یہ جذبہ کام کرتا ہے کہ افرادِ امت آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ضروریاتِ زندگی میں ایک بھائی کو دوسرے بھائی پر کوئی تفضیلت نہیں ہے، خود منفع اندوز ہونے کی بجائے دوسروں کو منتفع ہونے دینا یا اس سے کم تر درجے پر سب کو مساوی نفع بخشی، افرادِ امت کا طرزِ عمل بن جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے یہ صورت پیش نہیں آتی کہ ضروریاتِ زندگی کو چند افراد خرید کر اس پر خود قابض ہو جائیں اور پھر مصنوعی گرانی پیدا کر کے ان چیزوں کو اونچے داموں پر فروخت کریں۔

آزاد معیشت میں یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی چیزیں سرمایہ دار خرید کر ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر مہنگے داموں اہلِ ضرورت کو فروخت کرتے ہیں۔ اگر حکومت کنٹرول کرتی ہے تو اس سے بلیک مارکیٹ پیدا ہوتا ہے، اسمگلنگ کا راستہ نکلتا ہے اور معیشت واقعی آزاد نہیں رہتی۔ اس لئے موجودہ نظام میں آزاد معیشت واقعی موجود نہیں رہتی۔ اور وہ کنٹرول جو اس پر عائد کیا جاتا ہے، وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس ہو یہ رہا ہے کہ قیمتیں کہیں سے کہیں پہونچ رہی ہیں۔

معاشی عدمِ توازن

جب تک اشیائے ضرورت کی قیمتوں کا احتساب اور تعین نہ ہو نا ممکن ہے کہ معاشی توازن صورت پذیر ہو اور قیمتوں کا تعین صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ یہ اعداد و شمار صحیح صحیح دستیاب ہو جائیں، یہ اشیا بازار میں آنے تک جن جن مراحل سے گزری ہیں ان پر کیا لاگت آچکی ہے اور اب فروخت کنندگان اپنا نفع رکھنے کے بعد کس قیمت پر فروخت کرتے ہیں اس کے لئے حکومت کو ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہیئے جو انتہائی قیمتوں کا تعین کرے اور اس تعین میں ایسی لچک رکھی جائے کہ قیمتیں اوپر نہ جائیں بلکہ اسی دائرے کے اندر گردش کرتی رہیں۔

معاشی عدمِ توازن کا سب سے بڑا سبب وہ ظالمانہ معاشرہ ہوتا ہے جس میں لوگ شراب کو پانی کی طرح پینے کے لئے آزاد ہوں اور غریب عوام کو پینے کے لئے پانی بھی بہزار دقت میسر آئے، جس ملک میں عوام غذائی قلت کا شکار ہوں۔ وہاں مسرفانہ و عیاشانہ زندگی گزارنے والے افراد اپنے طرزِ عمل سے غریبوں کو یہ پیام

دے رہے ہوں کہ زندگی کا کامیاب معیار
ہم ہیں ان کا یہ طرزِ عمل غریبوں کو غریبی پر
قانع نہیں رہنے دیتا بلکہ ان کے سے قناعت چھین
کر انہیں زیادہ طلبی پر اکساتا ہے۔ اس طرح ،
طبقاتی امتیاز پیدا ہوتا ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جو
غریبوں کو افلاس و ناداری میں بھی صبر و شکر
توکل و قناعت کی نعمتوں سے مالا مال رکھتا
ہے۔ مگر یہ خدا فراموش ظالمانہ معاشرہ، جو
غریبوں کو نظر انداز کرتا ہے ایک قیامت ان
پر یہ ڈھاتا ہے کہ ان سے دین و ایمان کی نعمتیں
بھی چھین لیتا ہے، جو ان کے لئے سرمایہ سکون
و اطمینان تھا، وہ دین و اخلاق کا مذاق اڑاتے
ہیں۔ عقائد کو اوہام باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ
باور کرلیتے ہیں اور اپنے وجود و نمود سے اپنے
طرزِ زندگی سے الحاد و ارتداد کی تبلیغ ، عوام
الناس میں کرتے رہتے ہیں، جب عوام اس
تبلیغ سے متاثر ہوتے ہیں۔ تو پھر خدا ترسی کا
سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، وہ تمام اخلاقی و
روحانی قید و بند توڑ کر ایک ایسے انقلاب
کی طرف مائل ہوجاتے ہیں جس میں ان کی
پسماندگی ختم ہوجائے اور وہ سرمایہ دارانہ
نظام پر قابض ہوجائیں۔

اسلام معاشرے میں ان مفاسد کا سدباب
کرتا ہے اور عیاشانہ زندگی کی اصلاح کر کے
اسے متوازن و معتدل بناتا ہے۔ نظام معیشت
میں بھی اس کا اصول میانہ روی ہے مبالغے
اور تکلف کی زندگی صرف اسی وقت درست
ہوسکتی ہے جب کہ یہ معیارِ زندگی تمام افراد
امت کے لئے ممکن العمل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت کی اصلی
روح مساوات ہے اور اس مساوات کی
اصل وحدت و عینیت ہے اسی لئے شارع
علیہ السلام نے شرطِ ایمان یہ قرار دی کہ مومن
اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو
اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ یُحِبُّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ
لِنَفْسِہٖ (الحدیث)

مطلب یہ ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن
کا عین ہے، غیر نہیں۔

تعلیم

اسلامی نقطۂ نظر سے چونکہ مقصدِ زندگی حصولِ کلیت ہے۔ اس لئے تعلیمی نصاب بھی اسی غایت کے پیشِ نظر مرتب ہونا چاہیئے جو حصولِ کلیت میں ممد و معاون ہو۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہر طالب علم کے لئے اس کُلّی نصاب کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام علوم و فنون میں جو طالب علم تخصیص حاصل کرنا چاہتا ہو، اُسے اس کا اختیار دیا جائے مگر ہر صنفِ علم و فن بنیادی طور پر اس میں یہ شعور بیدار کر دے کہ اس کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ — اور، اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ — اور، جس علم و فن میں وہ تخصیص حاصل کر رہا ہے، وہ علم و فن بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ اُسی محور پر گردش کر رہا ہے؟

طالبِ علم میں یہ صلاحیت بیدار کر دینا نصابِ تعلیم کی ذمہ داری ہے دوسرے مرتبہ میں اس کا انحصار، اساتذہ پر ہے۔

قدیم زمانے کی درس گاہوں سے جو فارغ التحصیل طلباء نکلتے تھے۔ ان میں بیشتر علومِ دینیہ کے ماہرین ہوتے تھے۔ یہ لوگ ان علوم میں بھی دستگاہ رکھتے تھے جو بالواسطہ دین سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ وہ جامعِ منقول و معقول ہوتے تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر علمِ کلام، منطق، فلسفہ اور دوسرے علومِ متداولہ میں اُن کو بصیرتِ تامہ حاصل ہوتی

تھی، حالانکہ ان میں سے ہر شعبۂ علم بہت سے دوسرے علوم پر مشتمل ہوتا تھا۔ مثلاً علمِ قرآن کے لئے صرف ونحو، فصاحت وبلاغت، بیان ومعانی، ذیلی علوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور علمِ حدیث کے ذیل میں اقسامِ احادیث، اسماء الرجال کا علم ضروری ہے۔ ان تمام اصنافِ علوم میں طلباء فارغ التحصیل ہوکر نکلتے تھے۔ یہ قدیم نصابِ تعلیم بڑی حد تک جامع تھا۔ اس میں ریاضیات، طبعیات، ہیئت، طب، نجوم، تاریخ وسیر وغیرہ بہت سے علوم کی سمائی تھی۔ اس کے علاوہ طالبِ علم کی مادری زبان خواہ کچھ بھی ہو، وہ عربی اور فارسی زبانوں میں ماہر ہوتا تھا اور اردو زبان میں بھی مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ وعظ وخطابت عموماً اردو میں ہوتی تھی

موجودہ نصابِ تعلیم میں یہ جامعیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف کسی ایک فن میں، یا کسی ایک شعبۂ علم میں ایک طالب علم خصوصیت حاصل کرلیتا ہے اور اس کا اُستاد کہلاتا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ تو ضرور ہے کہ طالبِ علم کی توجہ صرف ایک نقطۂ علم پر مرکوز ہوتی ہے اور اُس کو یکسوئی کے ساتھ اپنے مضمون کی تیاری کا موقعہ ملتا ہے، مگر اس فائدے کے ساتھ ایک نقصان بھی ہے۔ وہ یہ کہ وہ دوسرے علوم وفنون سے اجنبی رہ جاتا ہے۔ مثلاً فلسفے کا محقق، تاریخ کا محقق، زبان کا محقق، ادب کا محقق، معاشیات کا محقق آپس میں ایک دوسرے سے کوئی علمی رشتہ نہیں رکھتے۔

اسی طرح قدیم نصابِ تعلیم میں درسِ نظامیہ پر آج تک عمل درآمد جاری ہے۔ حالانکہ اس نصاب کی تدوین کے بعد بہت سے علومِ جدیدہ دنیا میں رائج ہوچکے ہیں۔ ان کو نہیں اپنایا گیا۔ اس جمود کی وجہ سے دینی نصابِ تعلیم پر عصرِ حاضر میں پسماندگی کی طعن کی جاتی ہے۔ یہ کام علمائے دین کا ہے کہ وہ اپنے نصابِ تعلیم پر نظرِ ثانی کریں اور علومِ جدیدہ کو اپنی آغوش میں لے کر مشرف باسلام کریں۔ اسی طرح یہ کام ہمارے مسلمان ماہرینِ علومِ جدیدہ کا ہے کہ وہ اپنے علوم وفنونِ جدیدہ کے ساتھ حصارِ اسلام میں داخل ہوں۔ کیونکہ علم اپنے مبدء میں اللہ کے اسمِ علیم سے نسبت رکھتا ہے اور اُسکے گوناگوں مظاہر اُسی ذاتِ علیم کی طرف رجوع کرتے ہیں (اس لئے کوئی علم درحقیقت غیر اسلامی نہیں ہے)

اس نسبت کے بغیر ہر علم غیر مُستند ہے۔ کیونکہ مُستند اِلَی اللہ نہ ہونے کی وجہ سے غیر نافع ہے۔ اس کا انجام خیر نہیں شَر ہے۔ اس کا نتیجہ صلاح نہیں، فساد ہے۔ کیونکہ وُہ کلیتِ الٰہی کی نسبت سے عاری ہے، اور صرف جُزوی ہے اور ایسے جزو کی مثال ہے، جو کُل سے مُنقطع ہو چکا ہے۔

سَب سے پہلے واضعینِ نصاب کو اس خطرناک تعلیمی رسم کا انسداد کرنا چاہیئے کہ جو عام طور پر جاری وساری ہے — وُہ یہ کہ کمسن اور نو عمر بچّوں کی تعلیم کے لئے معمُولی لکھے پڑھے، یا نیم جاہل افراد کو اُستاد مقرر کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بچوں کی فطرت میں تعلیم و تربیت کی داغ بیل ڈالنے کا یہی وُہ نازک مرحلہ ہوتا ہے، جس کے لئے بہتر سے بہتر تجربہ کار، ماہر نفسیات ذی علم اساتذہ کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔

اسکے برخلاف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں طلبا خود ذی علم، قابل ہوتے ہیں، وہاں اس امر کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اُن کو ذی علم اور قابل اساتذہ میسّر آئیں — ہم یہ نہیں کہتے کہ کالج اور یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ نہ ہوں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قابل طلبا، جو خود مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے آسانیاں مُہیا کی جاتی ہیں تو، اُن بچّوں کے لئے جو خود مطالعہ اور غور وفکر نہیں کر سکتے، کئی درجے زیادہ آسانیاں مُہیا کی جانی چاہئیں ان کی ابتدائی تعلیم میں انتہائی توجہ درکار ہے۔

دراصل یہ حق العباد کا مسئلہ ہے۔ والدین اپنے بچّوں کو اُستادوں کے سپُرد کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اُن کے بچّے علم حاصل کریں گے۔ ادب سیکھیں گے۔ اُن میں اچھے اخلاق پیدا ہوں گے۔ اچھے عادات واطوار پیدا ہوں گے۔ وُہ نیک ہوں گے۔ والدین کی یہ تمنا، ہماری درسگاہوں سے کہاں تک بر آتی ہیں؟ - یہ دیکھنا چاہیئے — اگر تعلیمی نصاب اور تعلیمی ماحول ان تمنّاؤں کو نقش بر آب ثابت کرتا ہے تو پھر اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ حقوق العباد جو ہم پر عائد ہوئے تھے، وُہ ہم ادا نہ کر سکے اور اس لئے ادا نہ کر سکے کہ ہم حقوقِ الٰہیہ کی ادائیگی کے عادی نہیں ہیں۔

اس ساری تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نصابِ تعلیم حقوقِ الٰہیہ اور حقوق العباد کی ادائیگی

پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ دُوسرے لفظوں میں تعلیم کو کُلّی مفہوم کے ساتھ رائج ہونا چاہیئے جس میں تربیت بھی شامل ہے اور وُہ تمام علوُم بھی شامل ہیں، جن سے دینی اور دُنیاوی مفاد و اغراض وابستہ ہیں۔

تعلیم کے لئے سازگار ماحول کی تخلیق بھی نہایت ضروری ہے۔ اِس طرف ہم اتنا اشارہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ اخبارات ہوں یا رسائل، ریڈیو ہو یا ٹیلی وژن، سینما ہوں یا تفریح گاہیں، ان سب کے مشاغل اور وظائف، صرف اسی مقصدِ وحید کی طرف راجع ہونے چاہیئں، جو ہمارا مقصدِ زندگی اور ہمارا مقصدِ تعلیم ہے۔ تاکہ تعلیمی سفارشات کی صدائے بازگشت اس کا مصداق ہوکر نہ رہ جائے کہ

من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید

بچے اسکولوں میں ہی تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ ریڈیو اور ٹیلی وژن بھی بڑے شوق سے سنتے اور دیکھتے ہیں۔ ان سے اُن کے دل و دماغ بہت کچھ اخذ کرتے ہیں اسکولوں کے مقابلے میں بچوں کے لئے یہ ادارے کہیں زیادہ دلچسپ اور مؤثر ذرائع تعلیم ہیں۔ ان اداروں سے کیا ہم وُہ کام لے سکتے ہیں جو ہمارے تعلیمی مقاصد میں مُعاون ہوں۔؟

صدرِ مملکت کا اعلان

اور

ہماری ذمہ داریاں

مسلمانوں کو سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیئے۔
صدر مملکت جناب یحییٰ خاں نے بڑے وقار
اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ :۔
اسلام، قائد اعظم اور پاکستان کی سالمیت
کے خلاف تحریر و تقریر سنگین جرم ہوگی۔
وہ تخریبی طاقتیں، جو اسلام، قائدِ اعظم
محمد علی جناح اور پاکستان کے خلاف بیباکانہ
حملہ آور تھیں اور جن کی مدافعت اور روک ٹوک
میں مسلمان بے بس تھے، صدر پاکستان کے اس
اعلان کے بعد اب ان کو پاکستانی افواج قاہرہ اور
عام مسلمانوں کے غیض و غضب کا مقابلہ کرنا ہوگا
۔پہلی حکومتوں میں سے کسی کو کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ
وہ اس قسم کے دو جملے کہہ کر ان اسلام دشمن
تحریکات کو پنپنے کا موقع نہ دیتیں، جو ہماری وحدت
قومی و وحدت ملکی کو پارہ پارہ کرنے کی دُھن
میں لگی ہوئی ہیں۔ بلکہ الٹا یہ ہوتا رہا کہ اسلام

قائد اعظم اور سالمیتِ پاکستان کے مخالف تحریکات
پیدا ہوئیں، پلیں اور پروان چڑھتی رہیں،
قومی اخلاق بگڑتا رہا، ملی کردار تباہ ہوتا رہا، دینی
اقدار مٹائی جاتی رہیں اور کسی کے کان پر جوں
تک نہ رینگی۔ بہر حال صدر کے اس اعلان کے
بعد مسلمانانِ پاکستان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ
وہ مسلمان بنیں، مسلمان رہیں "مسلمان، وہ ہے
جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامت
رہیں" ـــــ اور یاد رکھیں کہ :۔

اسلام ہی وہ طاقت ہے جو پاکستان
کو وجود میں لائی اور اسلام ہی
وہ طاقت ہے جس نے گزشتہ
جنگ میں اپنے سے چار گنی دشمن
فوج کو شکست فاش دی اور
آئندہ بھی۔ پاکستان کی سلامتی
اسلام اور صرف اسلام پر ہی منحصر ہے

پرستارانِ توحید، اہلِ تفریق نہیں ہو سکتے
تفرقہ پسند نہیں ہو سکتے۔ فرقہ داری، اسلام
میں جرمِ عظیم ہے۔ خدا نے اس سے اہلِ اسلام
کو منع کیا ہے۔ لَا تَفَرَّقُوا الخ ——

پس اہلِ توحید کی علامت یہ ہے کہ
وہ متحد ہیں، اہلِ اتحاد ہیں — اور مشرکین
کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ تفریق ہیں۔ تفرقہ ان
کا شعار ہے۔

ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ مشرقی ہوں
یا مغربی، سندھی ہوں یا پنجابی، سرحدی ہوں
یا بلوچی۔ جس نے بھی یہ بتایا ہے کہ تم ایک دوسرے
سے الگ ہو، بالکل غلط بتایا۔ زمین اللہ کی ہے
اس کو مسجد بنایا گیا ہے، تم اللہ کی اس زمین کو
بتخانوں، شوالوں میں تبدیل نہ کرو۔ قرآنی نقطۂ
نظر سے مشرق و مغرب صرف اللہ ہی کے لئے
ہیں۔ یہ کہنا کہ پنجاب پنجابیوں کے لئے، سندھ
سندھیوں کے لئے، بنگال، بنگالیوں کے لئے ہے
اللہ کی زمین کو مندروں اور شوالوں میں بدلنا ہے۔
یہ ذہنیت غیر قرآنی، غیر اسلامی اور غیر پاکستانی
ہے۔ (خدا کی پناہ)

علماء و خطیب درخواست ہے کہ علماء کرام
اپنے مواعظ و خطبات میں
اس امر کا اہتمام کریں کہ اسلام کے مختلف فرقے
ایک دوسرے کے قریب آجائیں۔ ان میں مواخات و
مواسات کا جذبہ بیدار ہو۔ اور وہ سب اسلام
کے رشتے میں منسلک ہونے کی حیثیت سے
بنیانِ مرصوص بن جائیں۔

آج سیاست، میدانوں
سیاسی قائدین سے سمٹ کر گھروں میں
آگئی ہے۔ انجمن آرائی سے فرصت ہے
خلوت میں ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ وحدت
ملکی اور وحدت قومی کا راز اسلام اور صرف
اسلام میں مضمر ہے۔ آپ کی فکر و نظر کو
اس کلیہ کے تابع ہونا چاہئے اور صدرِ
مملکت کے دل و دماغ کو اپنی فکر و نظر کے تشتت
سے پراگندہ نہ کیجئے۔ انہیں قوت دیجئے اور
قول و عمل سے ان کی تائید کیجئے۔ یہ پارٹیاں
یہ بے شمار پارٹیاں متحارب و متخاصم پارٹیاں
امت واحدہ کے تصور سے ٹکراتی ہیں۔ یقیناً
وحدتِ پاکستان سے ٹکراتی ہیں اور اس لحاظ سے
پاکستانی نہیں —— پھر ان کے اراکین کس طرح
پاکستانی ہوں گے، یہ لوگ قائد اعظم کی شاہراہ
فکر و عمل سے کٹ کر عصبیت کی گمراہ کن پگڈنڈیوں
پر چل پڑے ہیں۔

مصنفین، مؤلفین، اخبار نویس، کالم
اہلِ قلم نگار، ادیب، انشاپرداز، شاعر حضرات

اس امر کا خیال رکھیں کہ ان کے قلم کو، قلمِ اعلیٰ
کا ترجمان ہونا چاہیئے۔ قلم وہ کام کر سکتا ہے
جو ایٹم بم بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کی نوکِ قلم بڑی سے
بڑی دشمن قلمرو کے سینے چھید سکتی ہے۔ جب تک
قلم نہ چلے، تلوار، بندوق، توپ کچھ نہیں چلتی۔ اہلِ
سیف پر اہلِ قلم کو تفوق حاصل ہے۔ آپ اپنے
قلم کے نقوش مرتّیہ کو زندہ و پائندہ حقیقت
کی جیتی جاگتی تصویر بنانے کا التزام کریں۔
وحدتِ قومی اور حب الوطنی کے جذبات کی بدولت
اسلامی فکر آپ کو یہ دولت ابدی عطا کرے گی
کہ جو لکھیں گے، اَمٹ ہو گا۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قوم
کی تعمیر سیرت و کردار میں آپ کے قلم کو بڑا دخل ہے
آزادیٔ تحریر کا مطلب کبھی یہ نہیں ہونا چاہیئے
کہ ہم اپنی دینی روایات، اخلاقی اقدار اور قومی
امتیاز کا مذاق اڑانے میں آزاد ہیں۔

صدر مملکت کے

سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن اعلان کی روشنی
میں یہ ادارے بھی اپنی اصلاح کریں، مخربِ
اخلاق، مہیج شہوات نشریات اور فلموں سے
قطعی اجتناب ضروری ہے۔ ان اداروں سے
تعمیری اور اصلاحی اغراض پوری ہو سکتی ہیں
اور وہ غایت حاصل ہو سکتی ہے جو صدر مملکت
کے اعلان میں واضح کی گئی ہے۔ اسلام کے خلاف
قائدِ اعظم کے خلاف اور پاکستان کی سالمیت
کے خلاف بلاواسطہ کچھ کہنے کی کوئی شخص اب
جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر وہ تمام تحریکات جو اسلامی
سیرت و اخلاق اور نظریۂ پاکستان کے منافی ہوں
ان کا اشاعت پذیر ہونا بھی بالواسطہ ویسا
ہی خلافِ اسلام و خلافِ پاکستان ہے جیسا
کہ بلاواسطہ مخالفانہ تحریکات کیلئے حکم ہے

اب یہ کام ریڈیو اور ٹیلیویژن
کے اربابِ حل و عقد کے ذمہ ہے کہ وہ اپنی
نشری پالیسی کا جائزہ لیں اور غیر اسلامی رجحانات
کا سدِ باب کریں تاکہ یہ ادارے دین و ملت کی
منفی نمائندگی نہ کریں۔

پاکستان کی ۲۱ سالہ زندگی میں سینماؤں
نے پاکستان کے ۲۱ سالہ نوجوان کو جو کچھ دیا ہے
وہ صرف یہ کہ وہ آرٹ کے نام پر جھوٹ موٹ
کردار ادا کرنا سیکھ گئے۔ کس طرح کسی کے
گھر میں چھپ چھپا کر پہنچتے ہیں اور کس طرح
وہاں سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو سکتے
ہیں؟ کس طرح ریوالور دکھا کر دوسروں کو
مرعوب کیا جا سکتا ہے؟ کیونکر ارتکابِ جرم
کو سہل کیا جا سکتا ہے۔ مصنوعی قہقہے،
بناوٹی آنسو، نقلی آہ و فغاں، جھوٹے کردار

اور ان جھوٹے کرداروں کے مطابق جھوٹی اداکاری، جھوٹی شخصیں، جھوٹی کہانیاں۔ پھر ان سب جھوٹوں کو سچ کر کے دکھلانا اور عوام کو سچ باور کرا دینا ہی اس "آرٹ" کا کمال ہے —— کوئی یہ نہیں سوچتا کہ جب یہ جھوٹ، سچ بنا کر دکھانے کی اور دیکھنے کی عادت افراد کے قلب و نظر میں سرایت کر رہی ہے تو پھر اظہارِ صداقت کے لئے کون سے ذرائع باقی رہ جائیں گے؟ —— کیونکہ یہ تمام ذرائع تو جھوٹ کے افشا و اعلان میں سچ کی طرح کام آ چکے ہیں۔

سب سے بڑی بداعتمادی جو اس آرٹ سے پیدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ کردار معاشرے میں جاری و ساری ہو کر صدق و اخلاص یقین و اعتماد کی فضا معاشرے میں پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ اور ایک ایسا طرزِ عمل سوسائٹی میں رونما ہو چلا ہے۔ جس میں صرف ایکٹنگ ہی ایکٹنگ ہے اور کوئی حقیقت نہیں۔ اور حقیقت بھی ہو تو اس کو تصنع قیاس کیا جاتا ہے اس لئے فلمی صنعت کی اصلاح تو پہلی فرصت میں ضروری ہے۔ نقطۂ اصلاح، اعلانِ صدر کی روشنی میں یہ متعین ہوتا ہے کہ ایسی فلمیں بنائی جائیں کہ جن سے ہمارے محبوب رہنما قائدِ اعظم کی عظمت پاکستانیوں کے قلوب میں نقشِ دوام کی حیثیت اختیار کر جائے جصولِ پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ کو جیتی جاگتی تصویروں کے ذریعے پیش کیا جائے۔ جہادِ آزادی میں مسلمانوں نے جو تن من دھن کی قربانیاں دی ہیں اور اکثریت نے ان پر جو ظلم ڈھائے ہیں ان کی منہ بولتی کہانیاں فلمائی جائیں۔ یہ فلمیں تاریخی شواہد پر مبنی ہونگی اور ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالیں گی۔ جس سے وہ متاثر ہو کر پاکستان کے مفہوم اور اہلِ پاکستان کے صحیح معنی سے آشنا ہوں گے اور یہ بھی جان جائیں گے کہ حصولِ پاکستان، بذاتِ خود مقصود نہیں تھا، بلکہ حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ تھا ہماری اجتماعی جدوجہد سے پاکستان حاصل ہو گیا اب اس کا مقصد حاصل کرنا ہمارے نوجوانوں کے ذمے ہے، وہ مقصد جھوٹ کے مقابلے میں سچ ہے۔ کج روی کے مقابلے میں راستبازی ہے۔ بے حیائی و بے ایمانی کے مقابلے میں حیا و ایمان ہے۔ بدکرداری و بداطواری کے مقابلے میں نیکوکاری اور خوش کرداری ہے۔ اور افتراق کے مقابلے میں اتحاد ہے۔ اس غایت کو حاصل کرنے کے لئے سازگار فلمی فضا مہیا کرنا، سنیماؤں کی بھی ذمہ داری ہے۔ اس کے بغیر

عہد کرے کہ وہ "اپنے طرزِ عمل سے 'اسلام'، قائدِ اعظم اور پاکستان سے وفاداری کا ثبوت دیگا"۔۔۔۔ اگر ہم اس عہد میں سچے ہیں اور مخلص ہیں تو پھر تخریب پسند عناصر، منظم اور متحد ہو کر جو تخریبی انقلاب لانا چاہتے ہیں، اس کا جواب، ہم تعمیری انقلاب سے دے سکتے ہیں۔ یاد رکھئے، انقلاب کا جواب بیانات سے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ انقلاب ہی سے دیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے ہم میں سے ہر مسلمان کو سب سے پہلے اپنے اندر انقلاب لانا ہے۔ اس سے پوری قوم کی قلبِ ماہیت ممکن ہے۔